مقبول ترین قومی ایوارڈ یافتہ کثیر الاشاعت میگزین

مدیر اعلیٰ
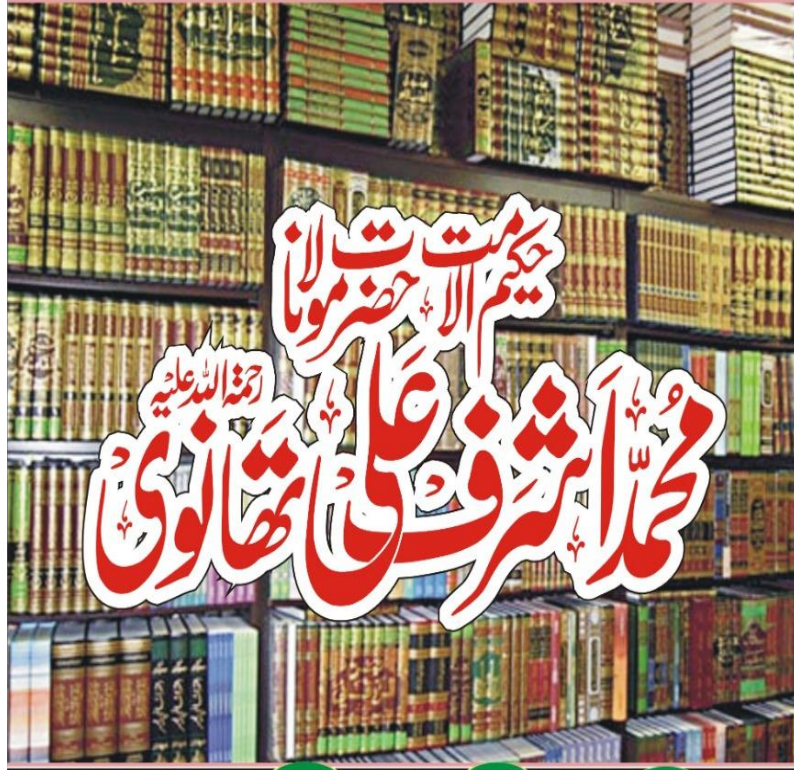
خلیفہ مجاز

خلیفہ مجاز

اِدارہ آبِ حیات ٹرسٹ لاہور غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ
رابطہ نمبرز 0300-0321-9458876

حکومت پاکستان کی وزارت اطلاعات سے باقاعدہ منظور شدہ
ماہنامہ
آبِ حیات
لاہور
جلد ۲۰ شمارہ ۳ مارچ ۲۰۲۰ء
زیرِ نگرانی
حضرت مولانا قاری عبدالسلام حدوٹی عباسی
مہتمم دارالقرآن جامعہ علیوٹ مری
مدیرِ اعلیٰ
مولانا محمود الرشید حدوٹی عباسی
خلیفہ مجاز
پیر طریقت عارف وقت حضرت اقدس
شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب دامت برکاتہم
خلیفہ مجاز
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
قیمت فی شمارہ 20 روپے
سالانہ 350 روپے
ملنے کا پتہ
ادارہ آبِ حیات ٹرسٹ
غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ
0300-0321-9458876
Mahmoodhadoti@gmail.com

ماہ نامہ آب حیات لاہور

مارچ ۲۰۲۰ء

اِدَارَہ آب حَیَات کی عَاجزَانَہ خِدمَات

ادارہ آب حیات ٹرسٹ حکومت پاکستان سے باقاعدہ رجسٹرڈ ہے، جو گزشتہ دودہائیوں سے رفاہی، فلاحی اور دینی خدمات انجام دے رہا ہے، یہ ایک غیر سیاسی ادارہ ہے، ادارہ کے تحت ماہ نامہ آب حیات، ماہ نامہ تحفہ خواتین، ماہ نامہ شان دار، ماہ نامہ صدائے جمعیت، شہر لاہور سے تسلسل سے شائع ہو رہے ہیں، ان پر ہر ماہ ہزاروں روپے کے اخراجات اٹھتے ہیں، مخیر حضرات کی خصوصی توجہ مطلوب ہے، یہ صدقہ جاریہ ہے جو قیامت تک ان شاءاللہ اپنا فیضان عام کرے گا، ادارہ کے حسابات باقاعدہ منظور شدہ آڈیٹر سے آڈٹ ہوتے ہیں۔

محمود الرشید حدوٹی عباسی

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے علمی فیضان امت مسلمہ تک پہنچانے کے لیے شبانہ روز جدوجہد کی، قرآن کریم کی تفسیر بیان القرآن لکھی، بیان القرآن میں احادیث نبوی کا ایک بہترین ذخیرہ پیش فرمایا، قرآنی آیات کے ذیل میں بے شمار وہ مسائل حل فرمائے جن کی امت کے لوگوں کو اشد ضرورت تھی، پھر امت کی روحانی تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بکھری تحریریں بہت بہترین علمی ذخیرہ ہے، تصوف و سلوک کے مسائل حل فرمائے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص، تقویٰ، طہارت اور للہیت کی برکت تھی کہ ان کی محفل و مجلس میں قدردانوں کی بہتات تھی، اس دور میں جب کہ سہولیات کا فقدان تھا، وسائل کی عدم دستیابی تھی، ایسے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کو حیطہ تحریر میں لانا، انہیں منضبط کرنا، انہیں قلمبند کرنا بڑا دشوار گزار عمل تھا مگر قدردانوں نے یہ مشکل گزار گھاٹیاں عبور کرتے ہوئے بہترین علمی ذخیرہ امت کی آغوش میں منتقل کیا۔

یوں تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی جس کتاب کو اٹھائیں اس کی سطر سطر، حرف حرف سے علمی خوشبو کی مہک آتی ہے،ان کے جس وعظ کو پڑھا جائے، جس بیان کو سنا جائے تو بہت ہی فائدہ ہوتا ہے، خصوصاً بہشتی زیور نامی کتاب جو حضرت تھانوی نے مستورات کی اصلاح و تربیت کے لیے لکھی تھی بہیت ہی کارآمد ہے۔

اہل علم و عرفان نے بعدازاں بہشتی زیور کو ایسے اسلوب میں پیش کیا جس سے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مفید بنایا،تانیث کے صیغہ جات کو تذکیر کے صیغہ جات میں تبدیل کیا،تاکہ یہ عظیم الشان علمی ذخیرہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی دینی ضرورت کو پورا کیا جائے، بہشتی زیور میں تمامی فقہی ابواب کااحاطہ کیا گیا ہے۔

میں حیران ہوتا ہوں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نبض شناس امت نے کس طرح راہبری وراہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے، اس کی ایک جھلک بہشتی زیور کی سطر سطر میں دکھائی دیتی ہے، کتابت کا طریقہ سکھایا، مستورات کو کھانے پکانے کا ہنر سکھایا، خواتین کو اپنے گھر کی چاردیواری کے اندر علاج معالجہ کے گراور طریقے بتائے،انہیں سلائی کڑھائی کے طریقے سکھائے تاکہ یہ بے ہنر نہ رہ جائیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اصلاح امت کی فکر ہمہ وقت دامن گیر تھی،انہوں نے مردوں کی تعلیم و تربیت،اصلاح اور تہذیب کے لیے اپنے گراں قدر علمی خطبات، مواعظ اور بیانات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، یہ بات ان کے پند و نصائح میں جابجا دکھائی دیتی ہے۔

بہشتی زیور اصلاح خواتین کے لیے انتہائی خوبصورت اقدام تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی تیاری میں کئی سال صرف کیے،اس کتاب کی تیاری میں انہوں

نے قرآن کریم اور سنت نبوی کے بحر ناپیدا کنار کی شناوری کی، بحر علم وعرفاں کی تہوں سے درر ہائے آبدار تلاش کر کے ایک خوبصورت مالا کی شکل میں پرو دیے۔

بہشتی زیور میں خواتین اسلام کو جن جن مسائل کی از حد ضرورت پیش آتی ہے، جن کا تعلق ان کے دینی ودنیوی معاملات سے متعلق تھا وہ ساری باتیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور میں یکجا کر دی ہیں، اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی پذیرائی اور قبولیت عطا فرمائی ہے، ہر عمر کی خواتین اس سے استفادہ کر سکتی ہیں، جب سے یہ کتاب حضرت نے تحریر فرمائی تب سے تاہنوز لاکھوں کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر خاص وعام لوگوں کے مطالعہ کی میز تک پہنچی ہیں، بے شمار لوگوں نے اس کتاب سے حظ وافر اٹھایا ہے، علماء نے اس کتاب سے فیض پایا، طلبائے علم نے فیض پایا، عامۃ الناس، خواص غرضیکہ شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے تمامی لوگوں نے خوب خوب فائدہ اٹھایا، اور اس کتاب کا فیضان موسلادھار بارش کی طرح جاری وساری ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی حیات میں اس کتاب پر وقتاً فوقتاً اصلاح کرتے، ترامیم واضافے کرتے اور زیادہ سے زیادہ مفید بناتے تھے، ان کے سانحہ ارتحال پر ملال کے بعد بہت سے علماء کرام نے اقتضائے احوال کے مطابق بہشتی زیور پر کام کیا اور خوب کام کیا، اردو زبان میں لکھی گئی اس کتاب پر علماء محققین نے تحقیقی حواشی لکھے، حاشیہ میں قرآنی آیات اور نبوی ارشادات کی روشنی میں مسائل کو مدلل کیا گیا، مسائل پر پیدا ہونے والے اشکالات کا تسلی بخش جواب دیا، معترضین کے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دیا، مشککین کی تشکیک کے جالے کاٹ ڈالے۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بہشتی زیور کی اہمیت وضرورت میں مزید اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، جدید حالات کے پیش نظر بہشتی زیور پر علماء کرام کام کرتے اور اسے

مزید مفید بنانے کی کوشش کرتے ہیں،اسے نئے اسالیبِ بیان اور طرزِ نگارش سے مرصع کرتے اور جاذب دل و نگاہ بناتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے یہ اعزاز عطا فرمایا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے بعد انہوں نے صنف نازک کو اپنے خطابات کا مخاطب بنایا،قرونِ اُولیٰ بلکہ خیر القرون میں قرآن کریم کا نزول ہوتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستورات کو مخاطب فرماتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے بہت صدیوں بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ انہوں نے اپنے خالق و مالک کی باتیں اور اپنے آقا و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی ارشادات کا انہیں مخاطب بنایا اور انہیں بھرپور فیض پہنچایا۔

ماہ نامہ آب حیات لاہور گزشتہ دو دہائیوں سے اپنی تحریری کاوشیں جاری رکھے ہوئے ہے، اس میں جو کچھ چھپ رہا ہے،زیور طباعت سے آراستہ ہو کر امت مسلمہ تک پہنچ رہا ہے یہ سب قرآنی تعلیمات،نبوی فرمودات، ائمہ دین کی فقہی جانفشانیوں،اکابرین امت کی دینی خدمات و تحریرات ، خصوصاً حکیم الامت والملت حضرت شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے افکار و خیالات کا عکس جمیل ہے، ان کی تحریروں میں موجود مواد انتہائی اخلاص اور اعتدال کا حامل ہے،ان کی لکھی ہوئی ایک ایک عبارت،ایک ایک جملہ ،ایک ایک لفظ،ایک ایک حرف سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

ایک حادثہ : حضرت تھانویؒ کی مخلصانہ کاوشوں اور جانفشانیوں کی عطر بیزیاں ان کی تحریروں کی مہک سے محسوس کی جاسکتی ہیں، ہم مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے سالانہ اجتماع کے موقع ایک عظیم اور ضخیم خصوصی اشاعت پیش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر اس دوران اللہ کی طرف سے ایک امتحان یہ پیش آگیا کہ ۱۷ فروری

۲۰۲۰ء کی سہ پہر کام کاج کے دوران میرے چھوٹے بھائی حاجی ہارون الرشید عباسی صاحب بلندی سے گرے، سر پر شدید چوٹ آئی، جس کے باعث میں ان کی تیمارداری میں اسلام آباد کے پمز ہسپتال میں ہوں، اس لیے مناسب اہتمام وانتظام نہ کر سکا، مضامین کی نوک پلک سنوار نہ سکا، مزید مضامین نہ لکھ سکا، جو کچھ میرے پاس لائبریری میں دستیاب تھا اسے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تاکہ کم از کم اس سالانہ اجتماع پر ماہنامہ آب حیات کی متواضع اشاعت قارئین کی نذر کی جا سکے۔

اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہماری اس متواضع کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمارے لیے اسے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین یارب العالمین بحرمۃ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

خادم اسلام

محمود الرشید حدوٹی عباسی

۱۹ فروری ۲۰۲۰ء بروز بدھ، پونے پانچ بجے شام

حال وارد ابرار ہاؤس، سواں اسلام آباد

راہ حق تجھ کو اگر مطلوب ہے دوڑ کر تھانہ بھون کی راہ لے

حضرت حکیم الامت کا اسم گرامی اشرف علی تھا۔ وَلادت باسعادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ چہار شنبہ کے دن صبح صادق کے وقت بمقام تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر یوپی انڈیا) میں ہوئی۔ تھانہ بھون کے ایک مقتدر علم و وجاہت والے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ دادھیال فاروقی اور نانھیال علوی ہے۔ والد جناب عبد الحق صاحب ایک مالدار مقتدر رئیس اور صاحب جائداد تھے۔ اور میر ٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے۔ والدہ پیر زادوں کے ایک مشہور خاندان کی ایک باخدا اور صاحب نسبت خاتون تھیں۔ یعنی حکیم الامت کو عقل و فراست کی دولت دادھیال سے ملی تو عشق الٰہی کی دولت نانہیال سے ملی۔

تعلیم و تربیت: پانچ سال کی عمر ہی میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، والد نے والدہ سے بھی زیادہ شفقت کی اور ایسی محبت سے پالا کہ والدہ کا رنج بھلا دیا، والد کی خداداد فراست نے بچپن سے ہی آپ کو دینی تعلیم کے لئے اور چھوٹے بھائی اکبر علی کو انگریزی تعلیم کے لئے منتخب فرمایا تھا، انہوں نے علوم فارسی و حفظ قرآن سے حکیم الامت کو وطن ہی میں فارغ کرایا پھر دیوبند بھیج دیا، دار العلوم دیوبند سے علوم دینیہ

کی تکمیل ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۲۰ سال تھی۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز کے متبرک ہاتھوں سے آپ کو دستار فضیلت ملی، آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد یعقوب صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات خصوصی آپ کے ساتھ وابستہ رہیں۔

تدریس: تعلیم سے فارغ ہو کر آپ صفر ۱۳۰۱ھ میں ملازمت کے لئے مدرسہ فیض عام کانپور تشریف لے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کو اس سے سخت نفرت تھی کہ ایک عالم دین مدرسہ کے لئے چندہ کی تحریک کرے بلکہ اس کو غیرت دینی کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے تین چار ماہ بعد ہی جب مدرسہ والوں کو آپ کے اس موقف سے شکایت ہوئی تو وہاں سے قطع تعلق کر لیا اور تھانہ بھون کا قصد کیا۔ لیکن روانگی سے پہلے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو تشریف لے گئے کہ پھر شاید اس طرف آنا نہ ہو۔اس موقع پر آپ کے والد صاحب نے تدریس جاری رکھنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ ''ہمیں تو نوکری مقصود نہیں، اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے ہم نے تو محض اس لئے تم کو نوکری کی اجازت دیدی تھی کہ ابھی کتابیں تازہ ہیں پڑھانے سے پختہ ہو جائیں گی''۔اس دوران کانپور کے مقتدر حضرات نے جن کو آپ سے بے حد محبت و عقیدت ہو گئی تھی یہ طے کیا کہ ایسے قابل اور متقی مولوی کہاں ملتے ہیں،ان کو یہاں سے نہ جانے دیا جائے اور ان کے لئے ایک الگ مدرسہ کھولا جائے۔ چنانچہ جب آپ گنج مراد آباد سے واپس آئے تو بے حد اصرار سے نیا مدرسہ کانپور کی جامع مسجد میں کھول کر آپ کو روک لیا۔ آپ نے اس مدرسہ کا نام جامع العلوم رکھا۔وہاں ۱۴ سال درس وتدریس میں مشغول

رہے اور علوم ظاہری و باطنی کے فیوض سے خواص و عوام میں آپ کی ہر دلعزیزی اور جاذبیت روز بروز بڑھتی گئی۔

حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے اصلاحی تعلق: کانپور میں تدریس کے دوران ۱۳۱۰ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے، آپ نے پہلا حج بیس سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کی معیت میں ۱۳۰۱ھ میں کیا تھا اور قطب العالم شیخ العرب والعجم حضرت شاہ محمد امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مہاجر مکی سے تزکیہ نفس کے لیے دست بدست بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا تھا، اس بار پیر و مرشد کے ایماء و خواہش سے چھ ماہ ان کی خدمت میں مکہ مکرمہ میں قیام کیا اور اپنے شیخ کی مشفقانہ و مربیانہ تربیت باطن اور توجہات خصوصی کے ساتھ اپنا تزکیہ نفس قرآن و سنت کے مطابق کراتے رہے اور رذائل نفس پر قابو پا کر حق تعالیٰ کے احکام پر پورا پورا عمل کرنا سیکھتے رہے اور اپنے شیخ کے علوم ربانی و فیوض روحانی سے مستفیض ہوتے رہے۔

حاجی صاحب نے آپ کی صلاحیت اور استعداد کا اندازہ کرتے ہوئے نہایت مسرّت کے ساتھ خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمایا اور خاص بشارتوں اور وصیتوں کے ساتھ رخصت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ: "دیکھو جب کبھی کانپور میں مدرسہ کی ملازمت سے برداشتہ خاطر ہو جاؤ تو پھر اپنے وطن تھانہ بھون میں ہماری خانقاہ اور مدرسہ کو از سر نو آباد کرنا اور توکّلاً علی اللہ وہاں قیام پذیر ہو جانا انشاءاللہ تعالیٰ تم سے خلائق کثیرہ کو نفع پہنچے گا۔ میری دعائیں اور توجہات تمہارے شامل حال ہیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حج بیت اللہ سے واپس آکر کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۱۵ ہجری میں ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن تھانہ بھون میں اپنے پیر و مرشد کی یادگار خانقاہ امدادیہ میں حق تعالیٰ پر کامل توکل کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے

اور خاندانی دولت اور بھائی کی مالی امداد کی پیشکش سے منہ موڑ لیا اور نہ ہی کسی مدرسہ سے ملازمت کا کوئی تعلق رکھا۔اس زہد و توکل پر جو نبیوں کی سنت ہے حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ مکرمہ سے تحریر فرمایا۔ ''بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ خلائق کثیر کو آپ سے فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ اور مسجد کو از سر نو آباد کریں گے۔ میں ہر وقت آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔''

تھانہ بھون کا قیام:اس کے بعد یہ مجدد وقت تھانہ بھون میں اپنی مسند رشد وہدایت پر اصلاح اُمت کا نسخۂ اکسیر صحابہ کے انداز پر لیکر بیٹھا۔ آسمان کے نیچے ایک مہتم بالشان مجلس لگی، حقیقت منکشف ہوئی، شریعت کے حکموں پر پورا پورا چل کر حق تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریق زندہ ہوا، اصلاح کا باب کھلا، انسانیت تقسیم ہوئی،بدعات کا قلع قمع ہوا اور گمراہی کے دروازے بند ہونے شروع ہوئے۔

خانقاہ تھانہ بھون حکیم الامت کے اس قول کی منہ بولتی تصویر بن گئی کہ "بزرگ بننا ہو، قطب بننا ہو، غوث بننا ہو، تو کہیں اور جاؤ اور انسان بننا ہو تو یہاں آؤ" اور وہ مخلص مسلمان جو اپنے غصہ، کبر، کینہ، حسد، ظلم، جاہ طلبی، خود پسندی و خود رائی اور شہوت وغیرہ پر قابو پا کر انسانیت سیکھنا چاہتے تھے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے آنے لگے۔

علماء اور طلباء ہی صرف نہیں بلکہ ان میں انگریزی تعلیم یافتہ، انجینئر، ڈاکٹر ،وکیل ،بیرسٹر ، سرکاری افسر اور تجارت و زراعت پیشہ امیر غریب سب ہی طرح کے لوگ تھے ۔ حضرت اپنی مجلس میں علوم و معارف و حقائق کے دریا بہاتے اہل ذوق حضرات ان باتوں کو سنتے اور لکھتے۔اور اہل دل حضرات تعلق مع اللہ کا وجدان حاصل کرتے۔ بڑے بڑے علماء وعقلاء اور فلسفی، حکیم الامت کے سامنے گردن جھکا

کر بیٹھ جاتے۔

تصوف کے وہ حقائق ومعارف جو عربی وفارسی زبان میں راز کی صورت میں مدون تھے اس دور آخر کے مجدد نے علی الاعلان سہل اردو زبان میں سب کے سامنے فاش کر کے بتادیا کہ جاہل صوفیاء نے تصوف کو بدنام کیا ہے ورنہ تمام تصوف وسلوک کا حاصل سوائے اس کے کچھ نہیں کہ حق تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور حق تعالیٰ شریعت کے مطابق ظاہری اور باطنی احکام کی بجاآوری سے راضی ہوتے ہیں۔ حکیم الامت نے دین حق کے ایک ایک جزو کو ایسا بے غبار کردیا کہ صدیوں تک تجدید کی ضرورت باقی نہ رہی اور اس شاہراہ پر دور دور تک اب کسی جاہل صوفی کی مجال نہیں کہ دھوکا دے سکے۔

خدمتِ دین: خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرت نے اپنی زندگی کے پچاس سال تصنیف وتالیف اور مواعظ وملفوظات سے دین کی خدمت کرنے میں بسر کئے۔ایک ہزار کے قریب ایسی کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے جو محض علمی نہیں بلکہ عملی طور سے نہایت مفید اور مضامین والفاظ کے لحاظ سے الہامی ہیں۔اس دوران ملک اور بیرون ملک سے ہزاروں سالکین طریق اور دین حق کے طالب، تعلیم وتربیت باطنی اور تزکیۂ نفس سے فیضیاب اور بہرہ اندوز ہوکر بحمداللہ امت مسلمہ کے رہبر اور مرشد بن گئے۔ تمام اہل حق نے تسلیم کیا کہ وہ حکیم الامت ،مجدد ملت، محی السنت (سنت کو زندہ کرنے والے) اور حجۃاللہ فی الارض تھے۔یہ القاب نہ تھے بلکہ اوصاف تھے۔ حکیم الامت کی تصانیف وتالیف ان کی حیات ہی میں مسلمانوں کے ہر طبقہ کے خواص وعوام میں اپنی جامعیت ونافعیت کی بناءپر مقبول ہوئیں برصغیر کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں اور اشاعت کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

آپ کا سالِ ولادت سن ۱۲۸۰ ہجری ہے، تاریخی نام کرم عظیم ہے، تھانہ بھون کے شیوخ فاروقی میں سے تھے، قرآن شریف حافظ حسین علی سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی کتابیں وطن میں حضرت مولانا فتح محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو دارالعلوم کے اولین فارغین میں سے تھے ۱۲۹۵ ہجری کے اواخر میں تکمیل علوم کی غرض سے دارالعلوم میں داخلہ لیا، ۱۲۹۹ ہجری میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، تجوید و قرأت کی مشق مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ مہاجر مکی سے کی۔

ذکاوت وذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے، ۱۳۰۱ ہجری میں اولاً مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسند صدارت کو زینت بخشی، کانپور میں آپ کے درس حدیث کی شہرت سن کر دور دور سے طلباء کھچے چلے آتے تھے، ۱۳۱۵ ہجری میں ملازمت ترک کرکے خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون میں متوکلاً علی اللہ قیام فرمایا، جہاں تادمِ واپسیں ۴۷ سال تک تبلیغ دین، تزکیہ نفس اور تصنیف وتالیف کی ایسی عظیم الشان اور گراں قدر خدمات انجام دیں جس کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔

علم نہایت وسیع اور گہرا تھا، جس کا ثبوت آپ کی تصانیف کا ہر صفحہ دے سکتا ہے، دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں تصانیف موجود نہ ہوں، وہ اپنی تصانیف کی کثرت اور افادیت کے لحاظ سے ہندوستانی مصنفین میں اپنا جواب نہیں رکھتے، آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہیں، برّصغیر کے پڑھے لکھے مسلمان کے کم گھر ایسے ہونگے جو جہاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو، ان میں ,, بہشتی زیور،، کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہر سال مختلف مقامات سے ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہے اور ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ اردو زبان میں اتنی بڑی تعداد میں دوسری کوئی اور کتاب شائع نہیں ہوتی تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا، کئی زبانوں میں اس کی ترجمے ہو چکے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسہ کا فائدہ حاصل نہیں کیا، تمام کتابوں کے حقوقِ طبع عام تھے اور جس کا جی چاہے انہیں چھاپ سکتا تھا، آپ کا ترجمہ قرآن شریف بہت سلیس، سہل اور عالمانہ ہے، تفسیر میں بیان القرآن ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اسی طرح حدیث میں اعلاء السنن میں فقہ حنفی کی مستدل احادیث کا جو زبردست ذخیرہ کرادیا ہے وہ خود اپنی مثال آپ ہے۔

حضرے تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز و خلیفہ تھے، ان کی بیعت وارشاد کا سلسلہ بہت وسیع ہے برصغیر اور اس کے باہر بھی ہزاروں اشخاص نے ان سے اصلاح و تربیت حاصل کی، چنانچہ حکیم الامت کے لقب سے آپ کی زبردست شہرت تھی، ان کی تصانیف و مواعظ سے لاکھوں افراد کو علمی و عملی فیض پہنچا، عوام وخواص کا جتنا بڑا طبقہ بیعت وارشاد کی راہ سے اس دور میں

ان سے مستفیض ہوا اس کی مثال کم ہی ملے گی، ان کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے صاحب علم و فضل اور اہل کمال ان کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔

ان کی ذات والا صفات علم و حکمت اور معرفت و طریقت کا ایک ایسا سر چشمہ تھی جس سے نصف صدی تک بر صغیر کے مسلمان سیر اب ہوتے رہے، دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ان کی عظیم خدمات تقریری اور تصنیفی صورت میں نمایاں نہ ہوں۔

مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں

اصلاح امت کی کوشش میں علمی و عملی زندگی کے ہر گوشے پر ان کی نظر تھی، بچوں سے لیکر بوڑھوں تک، عورتوں سے لیکر مردوں تک، جاہلوں سے لیکر عالموں تک، عامیوں سے لیکر صوفیوں تک، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لیکر امیروں تک ان کی نظر مصروف اصلاح و تربیت رہی، پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نظر پڑی، اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا، رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر ایک روڑے اور پتھر کو ہٹا کر صراط مستقیم کی راہ دکھائی، تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق و عادات اور عقائد میں دینِ خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی۔

فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان و سلوک کی جس کا مشہور نام تصوّف ہے، تجدید فرمائی، ان کے سامنے دین کی صحیح مثال تھی، اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص تھے ان کے

درست کرنے میں عمر بھر مشغول رہے،انہوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کردی کہ مسلمانوں کی تصویر حیات کو اس کی شبیہ کے مطابق بنادیں جو دینِ حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغناء کے ساتھ فیّاضی کے جوہر سے بھی نوازا تھا۔

ان کے قیامِ کانپور کا واقعہ راقم سطور (سید محبوب رضوی) نے والدِ مرحوم سے سنا ہے جو حضرت تھانویؒ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے، چوں کہ اس واقعے کا عام طور پر لوگوں کو علم نہیں ہے اس لیے اس کا ذکر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کانپور میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جامع العلوم سے پچیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اس میں سے وہ پانچ روپے ہر مہینے والدِ مرحوم کو دیا کرتے تھے تاکہ وہ اپنے طور پر اس رقم کو طلباء پر صرف کردیں، اس رقم کے ساتھ یہ تاکید بھی تھی کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو کہ اس کا معطی کون ہے، یہ ایک رازدارانہ بات تھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں والدِ مرحوم کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ تھا، انہوں نے یہ واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے محاسن کا ذکر کرتے ہوئے راقم سطور کو سنایا تھا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بڑی منظم تھی، کاموں کے اوقات مقرر تھے اور ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا، متوسلین کے بہت سے خطوط آتے تھے مگر بقید وقت ہر ایک کا جواب خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے تھے۔

۱۶/رجب ۱۳۶۲ ہجری کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہانِ فانی کو خیر باد کہا، تھانہ بھون میں حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔

☼☼

میاں شبیر علی! ہوا کا رُخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے، اور بھائی جو سلطنت ملے گی، وہ انہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق و فاجر کہتے ہیں۔ مولویوں کو تو ملنے سے رہی۔ لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہی لوگ دین دار بن جائیں۔

مولانا شبیر علی نے یہ ارشاد سن کر عرض کیا کہ پھر تبلیغ نیچے کے طبقہ یعنی عوام سے شروع ہو یا اوپر کے طبقہ یعنی خواص سے؟ اس پر ارشاد ہوا کہ اوپر کے طبقہ سے۔ کیوں کہ وقت کم ہے۔ خواص کی تعداد بھی کم اور الناس علی دین ملوکھم اگر خواص دین دار اور دیانت دار بن گئے، تو اِن شاءاللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔

عزیزانِ من! اپنی دور اندیشی کی بدولت مستقبل کے آنے والے واقعات سے مولانا شبیر علی کو خبر دار کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ حکیم الامت مجدد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، حضرت تھانوی جو بیک وقت فقیہ، محدث، مفسر، معلم، مدرس اور پیر تھے، وہ میدانِ سیاست میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ محمد اقبال نے مورخہ

۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران میں ظاہر کیا۔ جس کا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملی نصب العین کے طور پر ایک قرارداد کے ذریعے باقاعدہ مطالبہ کیا گیا۔

اسلامی سلطنت کے قیام کا جو خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے متذکرہ بالا اجلاس میں پیش کیا تھا، بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حضرت تھانوی اپنے مجلسِ عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا عبد الماجد دریابادی حضرت تھانوی کی خدمت میں پہلی مرتبہ ''تھانہ بھون'' حاضر ہوئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں۔ پہلے پہل اس قسم کی آوازیں یہیں تھانہ بھون میں کان میں پڑیں، بس حضرت تھانوی کو ہم لوگوں کے اس وقت کے طریقِ کار سے پورا اتفاق نہ تھا۔

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ دل یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر اسلامی حکومت قائم ہو، بیت المال ہو، نظامِ زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، دوسری قوموں سے مل کر یہ نتائج کب حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس مقصد کے لیے صرف مسلمانوں ہی کی جماعت کو یہ کوشش کرنی چاہیے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت تھانوی نے مسلم لیگ کو تبلیغ کرنے کے لیے اور خصوصاً مسلم لیگ کے روحِ رواں قائدِ اعظم محمد علی جناح کو دین سمجھانے کے لیے وفود بھیجے۔

دربارِ اشرفیہ کے مبلغین نے قائدِ اعظم کو سمجھایا کہ مسلمان کسی تحریک میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک اس تحریک کے چلانے والے خود کو اسلام کا نمونہ نہ بنائیں۔ جب یہ خود کو احکامِ دین کا پابند بنالیں گے، تو اس کی برکت سے نصرت و کامیابی خود بخود ان کے قدم چومے گی اور مسلمانوں کی سیاست تو کبھی

مذہب سے الگ نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے قائد مسجدوں کے امام بھی تھے اور میدانِ جنگ کے جرنیل بھی۔ خلفائے راشدین، خالد بن ولید، ابو عبیدہ بن الجراح اور عمرو ابن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ سب مذہب و سیاست کے جامع تھے۔

غرض یہ کہ اس موضوع پر کافی گفتگو ہوئی اور بلآخر یہ خانقاہ نشین علما دنیا کے اس بڑے اور کامیاب سیاست دان کی سیاست کو مذہب کی حدود کے اندر لانے میں کامیاب ہوگئے، قائدِ اعظم نے وفد کی معروضات کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں اپنے اس تاریخی فیصلہ سے آگاہ فرمایا کہ دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو، میری سمجھ میں اب خوب آگیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں، بلکہ مذہب کے تابع ہے۔

اس کے بعد جب بھی کسی دینی معاملے میں حضرت تھانوی قائدِ اعظم کی رہنمائی ضروری سمجھتے، تو فوراً اُن کی خدمت میں اپنا سفیر بھیجتے اور اسے سیاست پر گفتگو نہ کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ کیوں کہ قائدِ اعظم تو سیاست کے خود ماہر تھے جو کمی تھی وہ صرف دین کی تھی، جسے پیدا کرنے کے لیے تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری تھا۔اس کے علاوہ حضرت تھانوی انہیں تبلیغی خطوط بھی لکھتے رہے۔

جس زمانے میں کانگریس مسلم لیگ سے مفاہمت کی گفتگو کر رہی تھی، حضرت تھانوی نے ایک خط مسٹر جناح کو اس مضمون کا لکھا تھا کہ "مفاہمت میں چوں کہ مسلمانوں کے امورِ دینیہ کی حفاظت نہایت اہم اور ضروری ہے، اس لیے شرعیات میں آپ اپنی رائے کا بالکل دخل نہ دیں، بلکہ علما اور محققین سے پوچھ کر عمل فرمائیں۔ قائدِ اعظم نے نہایت شرافت اور تہذیب سے حضرت تھانوی کو جواب لکھا

اور اطمینان دلایا کہ اسی ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

ایک دفعہ قائد اعظم کی مجلس میں یہ گفتگو چلی کہ کانگریس میں علما زیادہ ہیں اور مسلم لیگ میں علما کوئی نہیں، اسی وجہ سے مسلمانوں کو مسلم لیگ سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے، یہ سن کر قائد اعظم نے جوش بھرے لہجے میں فرمایا کہ تم کن کو علما سمجھتے ہو؟ مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے، جس کا علم اور تقدس و تقویٰ اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام علمائے ہند کا علم، تقدس و تقویٰ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے، تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔

اور وہ ہے مولانا اشرف علی تھانویؒ جو ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتے ہیں۔ مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے، کوئی اور موافقت کرے یا نہ کرے، مجھے کوئی پروا نہیں۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ قائد اعظم حضرت تھانویؒ سے کس قدر متاثر تھے، اب قائد اعظم کی تقاریر میں اسلامیت کا رنگ غالب نظر آنے لگا اور انہوں نے برملا کہنا شروع کر دیا کہ اسلام صرف چند عقائد و عبادات کا نام نہیں، بلکہ اسلام سیاسیات، معاملات، معاشرت اور اخلاق کا مجموعہ ہے۔ ہمیں ان سب کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔

حضرت تھانویؒ نے واضح طور پر مسلم لیگ کی تائید و حمایت فرمائی تھی، اس لیے ان کے لاکھوں عقیدت مندوں اور ہزاروں متوسلین جن میں سیکڑوں کی تعداد علمائے کرام کی تھی، سب نے تحریک پاکستان میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جن میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ وغیرہ سر فہرست تھے۔ ان حضرات نے

ہندوستان کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں اپنی تقریروں اور عملی جدوجہد کے ذریعے تحریکِ پاکستان کو مقبولِ عام بنانے اور پروان چڑھانے میں جس شان دار کردار کا مظاہرہ کیا۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ان حضرات کی خدمتِ جلیلہ اور مساعیِ جمیلہ کا اعتراف خود قائدِ اعظم اور لیاقت علی خان نے بارہا کیا تھا۔ اسی لیے قائدِ اعظم نے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی دربارِ اشرفیہ کے خدام کے ہاتھوں کرائی۔ چنانچہ مشرقی پاکستان کی پہلی پرچم کشائی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مغربی پاکستان کی پہلی پرچم کشائی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں کرائی گئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کانگریسی لیڈر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور خلافتی لیڈر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے سامنے پاکستان کا جو نقشہ ۱۹۲۸ء میں پیش کیا تھا، اس کی رسمِ افتتاح بھی دربارِ اشرفیہ کے خدام کے حصے میں آئی۔

آپ کو لوگ صرف خانقاہ نشین اور درجنوں کتب کے مصنف کے طور پر جانتے ہیں، انہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ حکیم الامت کی سیاسی بصیرت کس قدر حکیمانہ تھی۔ انہوں نے کس طرح قائدِ اعظم محمد علی جناح کی دینی اصلاح فرمائی اور جب سیاسی تحریکات کے سلسلہ میں آپ کے پاس استفسار آتے، تو اس وقت بہ حیثیت حکیم الامت آپ کو ان کی شرعی حیثیت واضح کرنا پڑتی۔

یہ ایسا دور تھا جس میں سب کو کچھ نہ کچھ اپنے مرکز سے ہٹنا پڑا، مگر حکیم الامت سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مستحکم رہے اور اپنی رائے سے ایک لمحہ کے لیے پیچھے نہیں ہٹے۔ اسی مسلکِ حقہ کی بدولت ہر آڑے وقت میں اربابِ مسلم لیگ آپ سے مشورہ لیتے رہے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ باقی پارٹیوں اور جماعتوں کی سعی واتحاد

کے باوجود حضرت تھانویؒ کی دعا، پُر خلوص اعانت سے مسلم لیگ تاریخ ساز الیکشن جیتتی رہی، جس پر قائدِ اعظم محمد علی جناح کو بہت فخر تھا۔

عزیزانِ من، ولی اللہی تحریک کے نانوتوی لشکر کا یہ شہسوار فقیہ، محدث، مفسر، مدرس، مصنف الغرض علم کے ہر شعبہ میں مثال تھے اور بقول اپنے استاد مکرم مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے جو کہتے تھے کہ "اشرف علی، تم جہاں جاؤ گے، تم ہی تم نظر آؤ گے!" اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ آج مسلمانوں کے عقائد و نظریات، عبادات، معاشرت اور سیاست وغیرہ کی درستی میں آپ کے اقوال وافکار نمایاں نظر آتے ہیں۔

(اعتذار) تحریک پاکستان کی معرکہ آرائی میں علمائے حق دو گروپوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ان میں سے ایک گروپ کی رائے یہ تھی کہ مسلمان دو ملکوں میں بٹ کر اپنی طاقت گنوا بیٹھیں گے، ہندوستان میں مسلمان اپنی طاقت کھو جانے کے بعد روئیں گے اور پاکستان میں اسلام کے عدم نفاذ کی وجہ سے اسلام روئے گا، جب کہ دوسرا گروپ تو انتہائی محنت، جانفشانی، تندہی اور فکر مندی کے ساتھ پاکستان کے قیام کی خاطر دن رات ایک کیے ہوئے تھے، قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں کی تقسیم کو ناپسند کرنے والے علماء کرام نے کہا کہ پاکستان کی مثال قیام مسجد کی ہے، مسجد کے قیام سے پہلے اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے، جب کہ مسجد بننے کے بعد اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔

مضمون نگار سے معذرت خواہ ہوں کہ ان کے مضمون سے میں نے چند وہ سطور حذف کر دی ہیں جو ہمارے اکابرین علماء کرام کے شایان شان نہیں تھیں، ہمارے نزدیک تحریک پاکستان میں کردار ادا کرنے والے اور ایک خاص نقطہ نظر رکھنے والے سارے ہی اکابرین قابل صد احترام ہیں، وہ بھی مخلص تھے اور یہ بھی۔

(محمود الرشید حدوٹی مدیر اعلیٰ ماہنامہ آب حیات لاہور)

کسی بھی شخصیت کی خدمات اور جدوجہد کا صحیح طور پر تعارف حاصل کرنے کے لیے ان حالات اور ماحول کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے جس ماحول میں اس بزرگ شخصیت نے جدوجہد کی ہے اور جن حالات میں انہیں کام کرنا پڑا ہے۔

حضرت تھانویؒ کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی اور برطانوی استعمار کے مکمل تسلط کے تناظر میں دیکھا جائے تو صورتحال کا نقشہ کچھ اس طرح سامنے آتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اس خطہ کے مسلمان اپنا سب کچھ کھو کر نئے سرے سے معاشرتی زندگی کا آغاز کر رہے تھے۔

صدیوں اس خطہ پر حکومت کرنے کے بعد مسلمانوں کا سیاسی نظام ختم ہو چکا تھا، عدالتی اور انتظامی سسٹم ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا، عسکری قوت اور شان و شوکت سے وہ محروم ہو چکے تھے، اور ان کا علمی و تہذیبی ڈھانچہ بھی شکست و ریخت سے دوچار تھا۔ حضرت تھانویؒ کا میدانِ کار چونکہ علمی، فکری اور تہذیبی تھا اس لیے ان کی جدوجہد اور خدمات کو اسی دائرے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۸۵۷ء سے قبل اس خطہ کے مسلمانوں کے دینی اور معاشرتی ڈھانچے کی بنیاد

چار چیزوں پر تھی

① قرآن کریم ② حدیث وسنت ③ فقہ حنفی اور ④ سلوک واحسان۔

مسلمانوں کے معاملات انہی حوالوں سے طے پاتے تھے اور یہی اصول اس وقت کی اسلامی معاشرت کی بنیادوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر ۱۸۵۷ء کے بعد جب سب کچھ پامال ہو گیا تو مسلم معاشرت کی یہ چاروں بنیادیں بھی خطرات سے دوچار ہوئیں اور نئے معاشرتی ڈھانچے کی تشکیل میں ان بنیادوں کو کمزور کرنے کی مہم شروع ہو گئی۔

قرآنِ کریم کا براہِ راست انکار تو ممکن نہیں تھا مگر اس حوالہ سے یہ تبدیلی ضرور سامنے آئی کہ قرآنِ کریم کی جو تعبیر و تشریح صحابہ کرامؓ کے دور سے اب تک اجماعی تعامل و توارث کی صورت میں چلی آرہی تھی اسے ماضی کا حصہ قرار دے کر قرآنِ کریم کی نئی تعبیر و تشریح کا نعرہ لگا دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اب قرآنِ کریم اور اس کے احکام و قوانین کی تعبیر و تشریح ماضی کے مسلمہ اصولوں کی بجائے عقل، سائنس اور کامن سینس کے حوالہ سے ہو گی۔

اس کے ساتھ حدیث وسنت کی ضرورت سے ہی انکار کر دیا گیا، فقہ کو ماضی کے جمود کی علامت قرار دے کر راستے سے ہٹانے کی کوششیں شروع ہو گئیں، اور سلوک و احسان کو قرآن و سنت سے الگ بلکہ اس کے متوازی فلسفہ کے طور پر متعارف کرانے کی باتیں ہونے لگیں۔ جبکہ عمومی معاشرت میں مغربی طور طریقوں کی پیروی کو وقت کی ضرورت قرار دیا جانے لگا، حتیٰ کہ ماضی کی علمی و تہذیبی بنیادوں کی نفی یا کم از کم انہیں سابقہ عرف و تعامل کی پٹڑی سے اتار دینے کی اس تگ ودو کے بعد نبوت کا منصب بھی مجوزہ تبدیلیوں کی زد میں آ گیا اور نئی نبوت کی ضرورت کا

کھڑا گ رچانا ضروری سمجھا گیا۔

اس ماحول میں سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ مسلمانوں کے معاشرتی ماحول کو ماضی کی ان اقدار بلکہ بنیادوں سے کاٹ دینے کی اس مہم کا مقابلہ کیا جائے اور ماضی کے علمی، دینی، معاشرتی، فکری اور روحانی تسلسل کو ہر حالت میں باقی رکھا جائے۔ اس مقصد کے لیے علماء حق کا ایک پورا گروہ اور قافلہ میدان میں اترا جس نے صبر آزما جدوجہد کے ساتھ حال اور مستقبل کو ماضی سے کاٹ دینے کی اس مہم کو ناکام بنا دیا۔ ان میں حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کی محنت اور تگ و دو ہمیں اس لحاظ سے ممتاز اور نمایاں نظر آتی ہے کہ انہوں نے:

- احکام القرآن کو مستقل طور پر موضوعِ بحث بنایا اور اپنی نگرانی میں قرآنی احکام کو علمی و فقہی بنیاد پر از سرِ نو مرتب کرا کے امام ابو بکر جصاصؒ اور امام ابن العربیؒ کی یاد پھر سے تازہ کر دی۔
- حدیث و سنت کی ضرورت و اہمیت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا اور اپنے مایۂ ناز شاگرد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے ''اعلاء السنن'' کے عنوان سے ضروریاتِ زمانہ کے مطابق احادیث نبویہ کا وقیع ذخیرہ از سرِ نو مرتب کرا کے علماء کی راہنمائی کی۔
- اپنی معرکۃ الآراء تفسیر ''بیان القرآن'' میں سلوک و احسان کے مسائل کو قرآنی آیات سے مستنبط کر کے یہ واضح کیا کہ سلوک و احسان کوئی باہر سے آنے والی چیز نہیں بلکہ اس کی علمی جڑیں قرآن کریم میں ہی پیوست ہیں۔
- عمومی معاشرت کی اصلاح اور مسلمانوں کے خاندانی ماحول کو دینی احکام پر باقی رکھتے ہوئے اسے انگریز اور ہندو تہذیب کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے

- ''بہشتی زیور'' جیسی کتاب لکھی جو مسلمانوں کے گھریلو ماحول میں دین کے ساتھ وابستگی کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوئی اور خاص طور پر خواتین کو دینی احکام سے آگاہ کرنے کے لیے ایک معاشرتی تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔
- مختلف عقائد کی غلط تعبیر و تشریح اور مروجہ رسوم و بدعات کو مستقل طور پر موضوع بحث بنا کر سنتِ نبوی کی پیروی کا ذوق بیدار کیا۔
- سلوک و احسان کے ماحول کو خانقاہی حوالہ سے نہ صرف قائم رکھا بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی اصلاح کر کے خارجی اثرات سے اسے پاک کیا اور ہزاروں علماء کرام اور مسلمانوں کو اس کی عملی تربیت فراہم کی۔

حضرت تھانویؒ کی جدوجہد کے یہ چند زاویے ہیں جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد کے معاشرتی ماحول کا تسلسل اس سے قبل کے ماضی کے ساتھ قائم رکھنے میں اکابر علماء حق بالخصوص حضرت تھانویؒ کی تگ و تاز کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی مسلسل محنت کی جائے۔

اضافہ از مدیر اعلیٰ آب حیات: ہمارے محترم بھائی حضرت مولانا بلال اشرف صاحب ناظم عمومی مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان و مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور نے جہاں اپنی زندگی درس وتدریس کے لیے وقف کر رکھی ہے وہاں وہ شبانہ روز اس کام میں مصروف ہیں کہ وہ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریر کردہ کتابوں، رسالوں، مجلات، مضامین کو یکجا کر دیں، اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی لائبریری میں سولہ سو کے قریب ایسی قیمتی اور نایاب تحریریں اور کتابیں یکجا کر دی ہیں، اس لائبریری کا تعلق دیکھنے سے ہے، جو شخص اسے دیکھتا ہے دنگ رہ جاتا ہے۔

(مولانا مجیب الرحمن انقلابی (جامعہ اشرفیہ لاہور))

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہی وہ عالم دین ہیں جن کے بارے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کہا تھا کہ میرے پاس ایک ایسا عالم دین ہے کہ اگر اس کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور پورے ہندوستان کے باقی علماء کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا تھا: ''ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ مسلم لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور بھائی جو سلطنت ملے گی وہ انہی لوگوں کو ملے گی، لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ یہی لوگ دیندار ہو جائیں۔'' اسی وجہ سے مولانا اشرف علی تھانوی کے حکم پر بانی جامعہ اشرفیہ لاہور مفتی محمد حسن نے علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی مفتی اعظم مفتی محمد شفیع اور دیگر علمائے دیوبند سے مل کر تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اور پاکستان بننے کے بعد مشرقی و مغربی پاکستان میں آزادی کا پرچم لہرانے کی سعادت ''بزم اشرف'' کے سپوت حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو حاصل ہوئی۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے مسلمانوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے ۱۹۳۰ء میں فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی حالت کا تصور اگر کھانے سے پہلے آجاتا ہے تو بھوک اڑ جاتی ہے اور سونے سے پہلے آجاتا ہے تو نیند اُڑ جاتی ہے۔ان حالات میں مسلمانوں کی فلاح وکامیابی کیلئے حضرت تھانوی نے حیاۃ المسلمین کو مرتب فرمایا اور ان کی پیروی میں اس نظام کو جاری کرنے کے لیے ۱۹۳۰ء میں مجلس صیانۃ المسلمین تشکیل دی۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی المعروف پیارے میاں نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی اس نظام کو جاری فرمایا۔ حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا نجم الحسن تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت الحاج ڈاکٹر عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ودیگر اکابرین کی سرپرستی میں حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبد الدیان سلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خون جگر سے مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کی آبیاری کی۔

آج بھی اس کے صدر حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی پرنسپل جامعہ اشرفیہ لاہور، نائب صدر حضرت مولانا مفتی محمد طیب (فیصل آباد) اور نائب رئیس جامعہ اشرفیہ قاری ارشد عبید ودیگر اکابرین کی سرپرستی میں مصروف عمل ہے۔آج ملک بھر کی امن کمیٹیاں اور علماء کرام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فارمولے "اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں" پر عمل پیرا ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ۲۰۰ سے زائد خلفاء ہیں جن میں سے چند ایک مشہور ہستیاں یہ ہیں

① حضرت مولانا عبدالغنی پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ
② حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی رحمۃ اللہ علیہ
③ حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ
④ مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ
⑤ مولانا ولی محمد بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ
⑥ مولانا ابرار الحق حقی رحمۃ اللہ علیہ
⑦ حضرت مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ
⑧ حضرت مولانا کفایت اللہ شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ
⑨ حضرت مولانا شیر محمد صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
⑩ حضرت مولانا شاہ وصی الل رحمۃ اللہ علیہ
⑪ مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ
⑫ مولانا علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
⑬ مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
⑭ مولانا محمد انوار الحسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ
⑮ مولانا محمد موسیٰ سرحدی رحمۃ اللہ علیہ
⑯ مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ
⑰ مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور
⑱ مولانا عبدالرحمن کیمل پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹) مولانا مفتی سیّد عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ
(۲۰) مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ
(۲۱) خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

حضرتِ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور معرفت و سلوک میں غیر معمولی امتیاز و تفوق کے علاوہ نفسیات شناس بھی تھے۔ انسانوں کی نفسیات میں انہیں گہرا ادراک حاصل تھا۔ جسے وہ اصلاح و تربیت اور دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ناگزیر سمجھتے تھے۔ ایک طرف علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ، مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ سمیت سینکڑوں علماء و صلحاء آپ کے دست حق پر بیعت تھے وہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ افراد نے بھی آپ کی بیعت کی برصغیر پاک وہند کے دو نامور شعراء جگر مرادآبادی اور حفیظ جون نے بھی آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ درجے کے منتظم تھے۔انہوں نےاِسی نظم وضبط اور اصول وضوابط کی روایت کو اپنے مریدوں اور قریب رہنے والوں میں بھی پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کسی شخص یافرد کا نام نہیں، بلکہ ایک علمی، روحانی اور تربیتی ادارے کا نام ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک ایسی دانش گاہ تھے، جس نے اصلاح و تربیت کے لاتعداد پیاسوں کی پیاس بجھائی۔ وہ سلسلہ بالواسطہ طور پر آج بھی جاری ہے۔

آج کے دور میں دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام کرنے کے لیے ان کی تعلیمات مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپ کی ذات مجموعہ کمالات اور جامع انواع فضائل تھی حافظ ، قاری مدرس ، مفسر ، محدث ، فقیہ ، واعظ ، صوفی متکلم ، مناظر ، ناظم ، ناشر اور خانقاہ نشیں یہ سب کچھ تھی جس کی شہادت آپ کے آثار علمیہ سے ملتی ہے، لیکن ان سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنے تمام فضائل و کمالات کو فن تصوف کی اصلاح و تکمیل میں صرف فرمایا۔ آپ کی تعلیم و تربیت تصنیف و تالیف وعظ و تبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی مسائل صحیحہ کی اشاعت عمل میں آئی رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا، سنن نبوی ﷺ کا احیاء ہوا، غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، تعلق مع اللہ کا ماحول گرمایا، اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا شبلیؒ و جنیدؒ بسطامیؒ و جیلانی، سہروردیؒ اور سرہندی بزرگوں کے خزانے سے معمور ہو گیا یہ وہ شان تجدید تھی جو اس صدی میں مجدد وقت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔

آپ کے تجدیدی کارنامے اور اصلاحی خدمات پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک دفتر بھی ناکافی ہے۔ آپ کا علم و عمل ، تدبر و حکمت ، تفقہ و تقوٰی ، دینی ، ملی ، علمی ، خانقاہی اور تعلیم و ارشاد کے میدان میں آپ کی ایسی لازوال اور عدیم الفطرت خدمات ہیں

۔کہ اس مختصر تحریر میں ان کا اجمالی تعارف بھی بہت مشکل ہے، حضرت تھانویؒ جیسی شخصیت مدتوں میں پیدا ہوتی ہے، لیکن ان کے کردار و عمل، خلوص واستقامت اور زہد و تقویٰ کے روشن کئے ہوئے چراغ صدیوں تک آنے والی نسلوں کو منزل کا پتہ دیتے رہیں گے۔اس لئے حضرت تھانویؒ کے متعلق یہ سطور تحریر کرنے سے پہلے آثم راقم الحروف سوچ رہا تھا کہ

بیان بھی ہو سکے گا تجھ سے حسن یار کا
عالم تو دیکھ اپنے دل بے قرار کا

حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات کے علم و عرفان اور تقویٰ وتفقہ کی شہرت چہار دانگ عالم میں ہے۔ان میں حضرت تھانویؒ کا مقام سب سے نمایاں اور منفرد ہے۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

حضرت تھانویؒ کا ذکر کرتے ہوئے دل ڈرتا ہے کہ ایک ذرہ آفتاب کے بارے میں کیا کہے، اور ٹمٹماتا ہوا چراغ سورج کا سامنا کیسے کرے، ہم جیسے عامیوں کا یہ منہ نہیں کہ آپ کے مقام و مرتبے کو بیان کر سکے، اپنی حیثیت تو اس بڑھیا کی سی ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لئے سوت کی اٹی لیکر آئی تھی۔اس طرح امید ہے کہ کم از کم حضرت کے نام لیواؤں میں نام تو شمار ہو ہی جائے گا، حضرت تھانویؒ کی زندگی اور آپ کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو برائیاں پید ہوگئی ہیں ان کے سد باب کی جانب حضرت تھانویؒ نے پیہم جدوجہد کی، حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحبؒ سابق رئیس دارالعلوم دیوبند ''دارالعلوم کی پچاس مثالی شخصیات''میں فرماتے

ہیں ’’حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اپنے فیض علمی وروحانی سے ایک عالم کو مستفید کیا۔لاکھوں گمراہ انسانوں کو دیندار اور پرہیز گار بنایا، سلوک وتصوف کے ذریعہ ایسی اصلاح عقائد واعمال کی کہ حیرانی ہوتی ہے، گزشتہ صدی میں ہندوستان میں کسی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد ان سے بے نیاز نہیں رہے۔

ہندوستان کے دو بڑے تعلیمی ادارے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اکثر وبیشتر عمائدین حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے اور دوسرے اکابرین دیوبند سے مستفیض ہوئے ان میں سید سلیمان ندویؒ ،مولانا عبدالباری ندویؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جو حکیم الامتؒ سے فیضیاب ہوئے۔

حکیم الامتؒ کی محفل ارشاد: حضرت تھانویؒ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات علم وحکمت کی در بیش بہا ہوا کرتی تھی،اس لئے حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کی جس قدر اشاعت ہوئی ہے، ماضی قریب میں کسی بزرگ کے مواعظ وملفوظات کو اس درجہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی ، حضرت تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے علوم ومعارف کا گنجہائے گرانمایہ عطافرمایا تھا،آپؒ کی تحریرات کی طرح آپؒ کے ملفوظات ومکتوبات بھی انتہائی معنٰی خیز اور علوم ومعارف سے لبریز ہیں اور یہ ملفوظات ومکتوبات نہ صرف وقتی ضرورت اور تقاضے پورے کرتے ہیں۔ بلکہ ہر دور میں ان کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔اسی لئے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کو جمع کرنے کا حد درجہ اہتمام کیا گیا۔

حضرت تھانویؒ ہمارے بزرگوں میں سب سے زیادہ کثیر التصانیف ہیں، بلکہ تاریخ اسلام کے چند ممتاز ترین کثیر التصانیف مصنفین کی مختصر سے مختصر فہرست بنائی جائے تو اس میں حضرت تھانویؒ کا نام ضرور شامل ہوگا، پھر حضرت تھانویؒ

کا امتیاز تصانیف کی تعداد اور کمیت ہی کے بارے میں ہی نہیں، بلکہ کیفیت کے بارے میں بھی ہے، ہر تصنیف شاہکار اور بیش بہاعلوم و معارف کا ذخیرہ ہے، جماعت دیوبند کے ایک ممتاز فقیہ وعالم دین اور معروف دانشور و مصنف مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی مدظلہ العالی(مقیم لندن) اپنے ایک مضمون میں مولانا تھانویؒ کی تعداد تصانیف سے متعلق رقم طراز ہیں(اشرف السوانح جو حضرت تھانویؒ کی سب سے مستند سوانح ہے)میں خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ نے حضرتؒ کی تصنیفات اور مواعظ کی تعداد ٦٦٦ء لکھی ہے اور ان کی پوری فہرست درج فرمائی ہے(ملاحظہ ہو؛اشرف السوانح حصہ سوم؛۳۴۵تا۳۵۹)وہ فہرست حضرت تھانویؒ کی حیات تک کی ہے،اس کے بعد بھی کچھ اضافہ ہوا ہو گا، لیکن تمام سوانح نگاروں کے مطابق تصنیفات 'مجموعہ 'مواعظ 'مجموعہ ملفوظات 'اور مجموعہ مکتوبات سب کی تعداد ملا کر ایک ہزار کے اندر ہے، بعض حضرات کا ایک ہزار کتابوں کا حضرت تھانویؒ کی طرف منسوب کرنا تسامح ہے جس کا ازالہ کیا جانا چاہئے(ماخوذ الفرقان ماہ دسمبر صفحہ ۴۳)

سید سلیمان ندویؒ کے قول کے مطابق بھی حضرت تھانویؒ نے اپنی تصنیفات جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہیں،اپنے بعد اپنی یادگار چھوڑی ان میں چھ سو کے قریب مواعظ ہیں ان تصنیفات میں سب سے بڑی کتاب تفسیر بیان القرآن ہے جو بارہ جلدوں میں ہے،اس کے بعد فقہ میں فتاویٰ امدادیہ کی جلدیں ہیں۔

سب سے مشہور کتاب (بہشتی زیور) ہے جس کا فائدہ عام ہوا،ان کے علاوہ تصحیح عقائد،رد بدعات اور مسائل تصوف میں کثیر تالیفات ہیں۔

جن حضرات کو حضرت تھانویؒ کی تصنیفی کمالات کا علم ہوتا ہے،تو وہ یہ پوچھتا ہے کہ جس شخص نے اتنی کتابیں لکھی ہوں اس نے خود لاکھوں کتابوں کا مطالعہ

کیاہو گا ،ان کے مطالعہ واستفادہ، اخذ واستنباط اور اوقات میں برکات کاطریق کار کیاہو گا،میرے ذہن میں بار بار یہ سوال بن کر سامنے آتا رہا، مگر ایک دن دوران مطالعہ یہ عقدہ بھی حل ہو گیا، جس میں مولانااشرف علی تھانویؒ نے فرمایاکہ ''مجھے زیادہ کتب بینی کاشوق نہیں ہوا، کیونکہ نفس علم کو مقصود نہیں سمجھا، علم کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے،اس میں اپنے بزرگوں پر مکمل اعتماد وانقیاد تھا،جو کچھ کتاب وسنت کی تعبیر میں انہوں نے فرمایاتھا،اس پر دل مطمئن تھا،اور جن تصنیفات کاذکر آیا،توعرض کیاگیا، کہ آپ کی جب اتنی تصنیفات ہیں توان کے لئے آپ نے ہزاروں کتابیں بھی دیکھی ہوں گی، توحضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا''چند کتابیں ضرور دیکھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں،(۱)حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ(۲)حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ(۳)حضرت مولانارشیداحمد گنگوہیؒان کتابوں نے مجھے سب کتابوں سے بے نیاز کردیاہے۔

حضرت مولانااشرف علی تھانویؒ کی محیرالعقول خدمات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کی کیا عجیب شان رہی ہے ،اللہ تعالیٰ نے مسلمانان برصغیرپر خاص نظر رحمت فرمائی تھی کہ انہیں دیوبند جیسے علمی ادارے اور اس ادارے سے وابستہ دیگر متبرک شخصیات کے ساتھ حضرت تھانویؒ جیسی جامع الکمالات علمی وروحانی شخصیت سے فیض اٹھانے کاموقع دیا۔ ظاہری علم کی طرف جائیں توکونسا فن ہے، جس میں آپ کا تحقیقی کام نہیں، اور علم باطن کی جانب نگاہ دوڑائیں تواصلاح وارشاد اور تربیت وتزکیہ کی کون سی جہت ہے، جس میں حضرتؒ کی محیرالعقول خدمات صدقہ جاریہ کے طور پر چہار سو پھیلی نظر نہیں آتیں۔ تفسیر وحدیث ہو یافقہ وفتاویٰ، سیرت طیبہ کادل گداز موضوع ہو یا منطق و فلسفہ کی

سنگلاخ زمین ،کوئی فن ایسا نہیں جس میں آپ کے عبقری الصفت قلم نے وقیع نگارشات یادگار نہ چھوڑی ہوں،ان بلند پایہ علمی کاموں کی کثرت اور تنوع کو دیکھ کر آپ کو مجدد ملت کا خطاب بھی دیا گیا،اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر آپ کے علمی کاموں کو آپ کی زندگی کے برابر کے دنوں پر تقسیم کیا جائے تو فی دن کئی صفحات بنتے ہیں۔

حضرتؒ کا بہشتی زیور ایک لازوال شاہکار: مذکورہ تمام تبصرے بجا طور پر درست اور بر محل ہیں، لیکن بہشتی زیور کی شکل میں جو تحفہ آپ نے عوام الناس کو دیا،وہ بلا شبہ ایک منفرد شاہکار اور لازوال یادگار ہے، علماء ہوں یا عوام،سات پردوں میں رہنے والی گھریلو خواتین ہوں یا جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے روشن خیال حضرات سب کے سب اس سے یکساں طور پر مستفید ہوتے رہے ہیں۔اور اس کتاب نے گھرداری کے اصولوں اور گھریلو چٹکلوں سے لیکر پیچیدہ دینی مسائل میں محقق اور مستند اقوال تک راہنمائی میں وہ بے مثال کردارادا کیا ہے کہ اگر پوچھا جائے؛وہ کونسی کتاب ہے؟ جس نے گزشتہ صدی میں اردو خواں طبقہ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟تو جواب میں بہشتی زیور کا مقابلہ شاید ہی کوئی کتاب کر سکے ،ایک زمانہ ایسا تھا کہ کوئی مسئلہ دیکھنا ہوتا یا تعویذ دیناہوتا تو بہشتی زیور ہی پہلا اور آخری مرجع ہوتا تھا، یعنی بہشتی زیور متعدد المقاصد کتاب تھی،اور قرآن کریم (واحادیث نبویہ) کے بعد اسی کا مقام ومنصب تھا بر صغیر میں کون سا گھر ہوگا جہاں جس کی دینی وروحانی ضرورت کا مرجع ومنبع اور عقیدت کا محور یہ کتاب نہ رہی ہو۔

دراصل بہشتی زیور بنیادی طور پر خواتین اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے لکھی گئی تھی لیکن اس کی مقبولیت اور اس سے استفادہ اس درجہ کا تھا کہ رفتہ رفتہ ’’عوامی دینی نصاب‘‘ بن گئی بر صغیر کا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو اردو پڑھ سکتا ہو'اسے دین کی شدبد ہو اور اس نے اس کتاب کا مطالعہ نہ کیا ہو۔’’وقت بدل جاتا

ہے مگر کتابیں زندہ رہتی ہیں۔"اس مقولہ کا مصداق بہشتی زیور سے بڑھ کر اور کونسی چیز ہو گی؟خدا جانے اس کے کتنے ایڈیشن چھپے؟کہاں تک یہ کتاب پہونچی کتنی زبانوں میں چھپی اور کب تک اس کا فیض پہونچتا رہے گا۔ بہشتی زیور اردو جیسی زندہ تابندہ زبان میں ہے۔اور زندہ زبانوں کی تعبیرات، محاورات،اور اسلوب بیان کی تبدیلی نیا رنگ وروپ عطا کرتی ہے،یہی تبدیلی اور تغیر بولیوں اور زبانوں کا حسن ہے۔

کچھ کتابیں ایسی لازوال ہوتی ہیں کہ زمان ومکان کی تبدیلی ان پر اثر نہیں کرتی ،بہشتی زیور بھی ایسا ہی لازوال شاہکار ہے،چونکہ بنیادی طور پر یہ عوام کے لئے لکھی گئی ہے،اور عوامی دینی نصاب کی پہلی اینٹ ہے،اس لئے بہت سے علماء کرام نے خصوصاً جن کو معاشرے میں دینی تعلیم عام کرنے اور عامۃ المسلمین کو دینی معلومات سے روشناس کرانیکا ذوق ہے اس پر مختلف انداز سے تسہیل واضافات کے کام کئے، دراصل ان کوششوں کے پیچھے یہ ذہن کار فرما ہے،کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے خود اس کی تسہیل وترتیب کی اجازت دی تھی۔دیکھئے:(اصلاح خواتین :ص۴۲۸بحوالہ وعظ اصلاح الیتامی ملحق حقوق وفرائض:ص۴۰۲)

حضرت تھانویؒ کی وصیت اور نظام الاوقات:یوں تو حضرتؒ نے جو وصیتیں فرمائی ہیں وہ سب کی سب حرز جان بنانے کے لائق ہیں۔لیکن یہاں ان میں سے صرف تین باتیں نقل کی جاتی ہیں،فرمایا حتی الامکان دنیاومافیھا سے جی نہ لگاویں اور کسی ووقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیام اجل آجائے تو فکر اس تمنا کا مقتضی نہ رہے اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہیں۔

حضرت تھانویؒ نے اپنی زندگی میں اس طرح کا نظام الاوقات مقرر کر رکھا تھا کہ جن حضرات کو آپ سے ملاقات کرنے کا اتفاق ہوتا تو ان کو معلوم ہوتا کہ حضرت تھانویؒ اس وقت کوئی کام انجام دے رہے ہوں گے اور فلاں کام فلاں مقررہ وقت پر انجام دیں گے ۔

ایک مرتبہ خود فرمایا: میں نے نظام لاوقات کے سلسلہ میں کبھی کسی کو پریشانی میں نہیں ڈالا ،جوانتظام ایک دفعہ ہوگیا اس کے خلاف کبھی نہیں کیا،اسی واسطے لوگوں کو میری تجاویز پر اعتماد ہے ،وقت کی قدر وقیمت کے متعلق فرمایا بے کار وقت کا کھونا بہت برا ہے ،اگر کچھ بھی کام نہ ہو تو بھی انسان گھر کے کام میں لگ جائے گھر کے کام میں لگنے سے دل بھی بہلتا ہے اور عبادت بھی ہے یہ مجمعوں میں بیٹھنا خطروں سے خالی نہیں۔

پابندی وقت کے متعلق فرمایا: ہر شخص اپنے وقت کا حساب کرے تو ثابت ہو جائے گا کہ نصف سے زیادہ وقت خراب ہوتا ہے ،وقت کو خراب نہ کیا جائے تو بہت کام ہو جائے مگر پابندی وقت ہم لوگوں نے ایسی چھوڑی ہے کہ اس کا کرنا نئی بات معلوم ہوتی ہے ،بعض باتیں قومی شعار ہو جاتی ہیں پھر سب اس کے خلاف کو عیب سمجھتے ہیں مسلمانوں کے لئے تضیع اوقات شعار ہو گئی ہے اب کوئی وقت کی پابندی کرے تو اس کو نکو بتایا جاتا ہے (حسن العزیز،۴،۳۰۹)

درسیات سے فراغت حاصل کی،اس وقت آپ کی عمر ۱۷اور ۲۰،برس کے درمیان تھی، تعلیم سے فارغ ہو کر آپ مدرسہ جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے اور وہاں چودہ سال تک درس تدریس میں مشغول رہے ،دیوبند میں مولانا یعقوب صاحبؒ آپ کے استاد خاص رہے ان ہی کی زیر نگرانی آپ نے اس زمانے میں افتاء کی

مشق بھی کی،اس زمانے میں آپ کو مناظرے سے دل چسپی بھی تھی اور آریوں کے مقابلے میں کئی معرکے سر کئے،آپ کی اعلی علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے یہ پیشنگوئی فرمائی تھی کہ

جہاں جاؤگے بس تم ہی تم رہوگے باقی سارا میدان صاف،آپ کی دستار فضیلت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے متبرک ہاتھوں سے ہوئی، حضرت شیخ الھند مولانا محمود حسن صاحب کی توجہات خصوصی آپ کے ساتھ وابستہ رہیں، حضرت تھانویؒ کے مجازین کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب پہونچتی ہے،جو آپ کے بعد بھی اس کام میں مصروف رہے،اور اس دائرہ فیض کا اثر نہ صرف ہندوستان وپاکستان کے طول وعرض تک پہونچا بلکہ حجاز وافریقہ اور ان تمام ملکوں میں جہاں ہندوستانی مسلمان پھیلے ہیں (مگر اب حضرتؒ کا کوئی بھی خلیفہ بقید حیات نہیں)

سانحہ ارتحال: تاریخ وفات سے پانچ سال قبل ہی معدے وجگر کی خرابی نے عاجز کرر کھا تھا کبھی قبض اور کبھی اسہال کئی کئی دن تک جاری رہتے،علاج میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھاگیا'ع 'مرض بڑھتا گیاجوں جوں دوا کی، نحیف وناتواں اور صاحب فراش ہوگئے،اور غنودگی کی کیفیت طاری رہنے لگی لیکن جتنی دیر ہوش رہتا حاضرین کو برابر ملفوظات سے مستفیض فرماتے رہتے تھے اور اس وقت پتہ بھی نہ چلتا کہ آپ کے دماغ کو بیماری نے کچھ متاثر بھی کیاہے اور اس کیفیت کو دیکھ کر یہ عقدہ کھلا کہ یہ غنودگی کے دورے نہ تھے بلکہ ''ربودگی'' کی کیفیت تھی،دوشنبہ ۱۵ رجب ۱۳۶۲ کو صبح سے مسلسل دست آنے لگے اور دن اس طرح گزارارات آئی تو اپنی چھوٹی اھلیہ کو بلاکر دریافت فرمایا کہ آیا دونوں کا خرچ ادا ہوچکاہے جب جواب تسلی بخش ملا تو فرمایا''آج تو ہم جارہے ہیں،اس کے سوا گھنٹے تک غشی طاری

رہی، سانس تیز تیز چلتا رہااور کتنی مستورات نے دیکھا کہ جب سانس اوپر آتاتو آپ کی درمیانی اور شہادت کی انگلی کے بیچ میں ہتھیلی کی پشت سے ایک ایسی تیز روشنی نکلتی کہ جلتے ہوئے قمقمے ماند پڑ جاتے تھے، روشنی سانس کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ آتی جاتی رہی،اور جب سانس آخر ہوا تو یہ نور بھی چھپ گیا، کیاعجب کہ جن انگلیوں سے حقائق ومعارف ایک عرصہ تک معرض تحریر میں آتے رہے یہ نور اسی کا ہو ، بالآخر ۱۶۔۱۷رجب ۱۳۶۲ ھ مطابق ۲۰۔جولائی ۱۹۴۳ شنبہ کی شب بوقت نماز عشاء ۸۲ سال ۳ماہ ۱۱دن کی عمر میں سواد ہند کانیر اعظم تقریباًنصف صدی تک دین مبین کی ضوفشانی کے بعد غروب ہو گیا۔

اس سانحہ عظیم کی اطلاع ہوا کی طرح پھیلی اور برق بن کر عشاق کے قلوب پر گری، دہلی اوراس کے اطراف سے اسپیشل ٹرینیں چھوٹیں،اور ہزاروں عقیدت مند صبح ہوتے ہوتے تھانہ بھون پہونچ گئے ان ہزاروں شیدائیوں کے ساتھ مولانا تھانویؒ کا جنازہ نکلا، عیدگاہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور پھر خود آپ ہی کے وقف کردہ قبرستان میں جس کا تاریخی نام ''قبرستان عشق بازاں'' ہے اس عاشق صادق کے جسم کو سپرد خاک کیا گیا۔ نوراللہ مرقدہ

مولانا محمد الیاس گھمن

پاکستان کا ابتدائی تصور اور شرعی خدوخال: جون ۱۹۲۸ء کو مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ تو حضرت تھانوی فرمانے لگے:

''جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین و تعزیرات وغیرہ کا اِجراء احکامِ شریعت کے مطابق ہو، بیت المال کا نظام قائم ہو، نظامِ زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، مسلمانوں کو اس کے لیے کوشش کرنی چاہیے، دوسری قوموں کے ساتھ مل کر یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں۔؟ (تعمیر پاکستان از منشی عبدالرحمان ص ۳۵)

تاریخی حقیقت و صداقت: گویا پاکستان کا ابتدائی تصور اور اس کے شرعی خدوخال در حقیقت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کردہ ہیں، پاکستانی تاریخ کے مستند تاریخ نویسوں نے اس کو بلا جھجک لکھا ہے چنانچہ منشی عبدالرحمان مرحوم نے ''تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی'' میں، مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے ''حکیم الامت'' میں یہی بات لکھی ہے۔ نقوش و تاثرات میں بھی قریباً قریباً یہی

بات درج ہے، اقبال مرحوم نے الٰہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں خطبہ صدارت کے دوران اس تصور کو مزید واضح کر کے ظاہر فرمایا۔

مسلم لیگ کی اسلامی و فکری تربیت: حصولِ آزادی اور قیام پاکستان کے لیے جو جماعت میدان عمل میں برسرپیکار تھی وہ مسلم لیگ تھی، اس جماعت کی فکری و اسلامی تربیت کے لیے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں جذبہ خیر خواہی موجزن تھا، چنانچہ ایک دن مولانا شبیر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمانے لگے "میاں شبیر علی! ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور جو سلطنت ملے گی وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق و فاجر کہتے ہیں، مولویوں کو تو ملنے سے رہی۔ لہٰذا ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہی لوگ دین دار بن جائیں اور جو سلطنت قائم ہو وہ دین دار لوگوں کے ہاتھ میں ہو تاکہ اللہ کے دین کا ہی بول بالا ہو۔ (مقدمہ حیات امداد ص ۲۴)

قائد اعظم سے علماء کے وفود کی ملاقاتیں: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارباب مسلم لیگ بالخصوص قائد اعظم کی طرف اپنے خصوصی تربیت یافتگان کے وفود بھیجے۔ چنانچہ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء کو پٹنہ میں مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ، مولانا عبد الجبار ابوہریؒ، مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ اور مولانا معظم حسین امروہیؒ پر مشتمل پہلے وفد نے قائد اعظم سے ملاقات کی، جس میں مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا گیا اور قائد اعظم کو نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی، قائد اعظم نے فرمایا: میں گناہگار ہوں، خطاوار ہوں، آپ کو حق ہے کہ مجھے کہیں! میرا فرض ہے کہ اس کو سنوں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نماز پڑھا کروں گا۔ (روئیداد از مولانا شبیر علی تھانوی ص ۵)

اس کے بعد دوسرا وفد ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو مولانا ظفر احمد عثمانی کی زیر قیادت دہلی پہنچا جس میں مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ وغیرہ شامل تھے۔ وفد نے نہایت افہام و تفہیم کے ماحول میں قائد اعظم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح کردی کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے، اس موقع پر قائد اعظم نے فرمایا: ''دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو میری سمجھ میں اب خوب آگیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے۔ (روئیداد از مولانا شبیر علی تھانوی ص ۷)

اس کے بعد بھی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے معتمد اور سفیر مولانا شبیر علی تھانویؒ قائد اعظم سے مسلسل ملاقاتیں کرتے رہے چنانچہ ایک ملاقات میں قائد اعظم نے مولانا شبیر علی تھانویؒ سے فرمایا ''آپ تو کبھی تشریف لاتے ہیں اور حضرت تھانویؒ کی باتیں مجھے سمجھاتے ہیں، علماء میرے پاس بہت آئے مگر سب مجھ سے موجودہ سیاست میں بات کرتے ہیں جس سے وہ حضرات ناواقف ہیں اور میں مذہب سے ناواقف ہوں، حضرت تھانویؒ نے آپ کو ایک مرتبہ بھی کسی سیاسی امر میں گفتگو کے لیے نہیں بھیجا، مجھے آپ کے ذریعہ خاص مذہبی معلومات ہوتی ہیں جو اور جگہ نصیب نہیں ہوتی۔ اگر آپ کو کچھ اور کہنا ہو تو بیٹھ جایئے مجھے کوئی جلدی نہیں ہے میں بڑے شوق سے سنوں گا۔ (روئیداد، شبیر تھانوی)

قائد اعظم کا اعتراف: غرضیکہ ان وفود کا قائد اعظم پر اتنا مثبت اثر ہوا کہ فرمانے لگے، مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں تمام علماء کا علم و تقدس رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا اور وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں جو ایک چھوٹے سے قصبہ میں

رہتے ہیں مسلم لیگ کوان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یانہ کرے ہمیں پرواہ نہیں۔(روئیداد) از مولانا شبیر علی تھانوی)

مولانا شبیر علی تھانوی قائد اعظم سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے قائد اعظم کا فرمان نقل کرتے ہیں ،اگرآپ کا مطلب یہ ہے کہ میں بے چوں چراں آپ کا کہامانوں تو میں تیار ہوں آج تک تو میں آپ سے سمجھنے کے لیے بحث بھی کیا کرتا تھا، لیکن آج کے بعد میں خاموش بیٹھ کر سنوں گا اور مذہبی معاملات میں جو ہدایات آپ دیں گے ان کو تسلیم کروں گا کیونکہ مجھے حضرت تھانوی پر پورا پورا اعتماد ہے کہ مذہبی معاملات میں ان کا پایہ بہت بلند ہے اور ان کی رائے درست ہوتی ہے۔''

(روئیداد از مولانا شبیر علی تھانوی ص ۱۰)

نواب جمشید علی خان کا تجزیہ: نواب جمشید علی خان سے قائد اعظم بہت متاثر تھے وہ انہیں ''یارِ غار'' تصور کرتے تھے، عموماً موسم سرما میں اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ آرام کرنے کے لیے نواب صاحب کے ہاں باغ پت میں تشریف لے جایا کرتے اور ہفتوں وہاں رہتے، نواب صاحب اپنے ایک مکتوب مورخہ ۴ اپریل ۱۹۵۵ میں لکھتے ہیں:

یہ بالکل حقیقت ہے کہ قائد اعظم کی تمام تر دینی تربیت حضرت تھانویؒ کا فیضان تھا اور ان کا اسلامی شعور حضرت والا)حضرت تھانویؒ (کی بدولت تھا۔ مولوی شبیر علی صاحب نے قائد اعظم کو حضرت والا کے قریب لانے میں بڑا کام کیا۔

اپنے اسی مکتوب میں چند سطور کے بعد لکھتے ہیں کہ قائد اعظم باغ پت کے دوران قیام میں حضرت والا کا بہت خلوص اور ادب سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ قائد اعظم کو تھانہ بھون حاضر ہونے کا انتہائی شوق تھا لیکن افسوس چند در چند

وجوہات کی بناء پر ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔

مسلم لیگ کی حمایت میں تفصیلی فتویٰ: ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک تفصیلی فتویٰ) جو تنظیم المسلمین کے نام سے شائع ہو چکا ہے (جاری فرمایا۔ جبکہ اس سے پہلے دو قومی نظریے کی حمایت جھانسی الیکشن میں فرما چکے تھے۔

جھانسی الیکشن میں حمایت کے مضمرات: جھانسی الیکشن پہلا الیکشن تھا جو مسلم لیگ کانگریس نے علیحدہ ہو کر لڑنا تھا، اس لیے حضرت تھانویؒ نے اس کی حمایت فرمائی، یہاں یہ بات یاد رہے کہ جب تک مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ رہی حضرت تھانویؒ نے ان کی حمایت نہیں فرمائی، حضرت تھانویؒ شروع ہی سے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست اور الگ تنظیم کے حق میں تھے بلکہ اس کے زبردست محرک تھے، حضرت تھانویؒ کی اسی فکر و نظر کو بعد میں دو قومی نظریہ کا نام دیا گیا، گویا برصغیر میں پاکستان کی داغ بیل ڈالنے اور الگ آزاد مسلم ریاست کے لیے راہ ہموار کرنے والے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور آپ کے رفقاء کار ہیں۔

مسلم لیگ کی کامیابیوں میں بنیادی کردار: تاریخ اس بات پر چیخ چیخ کر شہادت دے رہی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے علمی سپوتوں نے مسلم لیگ کی کامیابیوں کے خاکے میں اپنی محنت سے رنگ بھرا ہے۔ ان میں چند اہم نام یہ ہیں: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع عثمانی، قاری محمد طیب قاسمی، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، شاہ عبدالغنی پھولپوری، مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا

خیر محمد جالندھری، مفتی عبدالکریم گمتھلوی، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا اطہر علی ودیگر رحمہم اللہ۔ ان لوگوں کی مسلسل محنت اور جدوجہد نے مسلم لیگ کی کامیابیوں میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان کے بارے قائد اعظم کے افکار: علمائے حق کی متواتر محنت اور قائد اعظم سے مسلسل ملاقاتوں کا اثر قائد اعظم کی تقاریر سے بھرپور طریقے سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ آزاد اسلامی ریاست کے خواہاں تھے اور اس میں اسلام کا نظام چاہتے تھے۔

چند تاریخی حقائق پیش ہیں: ۱۷ فروری ۱۹۳۸ء کو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں اسٹریچی ہال میں فرمایا: ''مجھے اپنے اسلامی کلچر اور تہذیب سے بہت محبت ہے، میں ہر گز نہیں چاہتا کہ ہماری آنے والی نسلیں اسلامی تمدن اور فلسفہ سے بالکل بیگانہ ہو جائیں۔

۱۴ دسمبر ۱۹۴۲ء کو کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''پاکستان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ پاکستان میں اللہ کے دین کا نظام قائم ہو گا۔

۱۹ مارچ ۱۹۴۴ء پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور کی سالانہ کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: '' ہمیں ہلالی پرچم کے علاوہ کوئی اور پرچم درکار نہیں۔ اسلام ہمارا رہنما ہے جو ہماری زندگی کا مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء سرحد مسلم لیگ کانفرنس پشاور میں دوران خطاب فرمایا: ''مسلمان؛ پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنے ضابطۂ حیات، اپنے تمدنی ارتقاء، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں۔

۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء مردان کے جلسۂ عام سے خطاب کے دوران فرمایا: ''پاکستان

کی آزاد مسلم مملکت کے حصول میں بھی اپنا کردار ادا کریں جہاں مسلمان اسلامی فرمانروائی کا نظریہ پیش کر سکیں گے۔“

۲۶ نومبر ۱۹۴۶ء کو سید بدرالدین احمد کو اپنی قیام گاہ پر ایک تفصیلی انٹرویو دیا جس میں آپ نے بر ملا کہا: ”دنیا کی تمام مشکلات کا حل اسلامی حکومت کے قیام میں ہے، اسی قیام کی خاطر میں لندن کی پر سکون زندگی کو رد کر کے عظیم مفکر علامہ اقبال کے اصرار پر واپس آگیا، ان شاءاللہ پاکستان کے نظام حکومت کی بنیاد لاالہ الااللہ ہی ہو گی اور اس پر ایسی فلاحی اور مثالی سٹیٹ قائم ہو گی کہ دنیا اس کی تقلید پر مجبور ہو جائے گی۔

۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو لندن مسلم لیگ کے نام پیغام میں فرماتے ہیں: ”خدا کے فضل سے ہم دنیا میں اس نئی عظیم خود مختار اسلامی ریاست کی تعمیر مکمل اتحاد، تنظیم اور ایمان کے ساتھ کر سکیں گے۔“

۱۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو مصری ریڈیو پر خطاب کے دوران فرمایا: ”ہم چاہتے ہیں کہ ایک آزاد خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کریں اور ان تمام اقدار کا تحفظ کریں جن کا اسلام علمبردار ہے۔“

۱۴اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی کے افتتاح کے موقع پر ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”اکبر بادشاہ نے جس فراخ دلی کا مظاہرہ کیا وہ ہمارے لیے کوئی نئی بات نہیں اس کا آغاز ۱۳۰۰ برس پہلے ہو گیا تھا جب ہمارے نبی کریم ﷺ نے فتح کے بعد نہ صرف زبانی طور پر بلکہ عملی طور پر یہودیوں اور عیسائیوں سے فراخدلانہ سلوک کیا، مسلمانوں کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر ہم قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کریں تو بالآخر فتح ہماری ہوگی، میرا آپ تمام لوگوں سے یہی مطالبہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

۱۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے دوران خطاب فرمایا: ''میں صاف طور پر واضح کردوں کہ پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مملکت ہوگی۔

۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں ان لوگوں کے عزائم نہیں سمجھ سکا جو جان بوجھ کر شرارت کررہے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد شریعت پر نہیں ہوگی، ہماری زندگی پر آج بھی اسلامی اصولوں کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح ۱۳۰۰ سال پہلے ہوتا تھا۔

۱۴ فروری ۱۹۴۸ء میں سبی دربار بلوچستان میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے ہمارے لیے بنایا، ہمیں چاہیے کہ اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔''

۲۱ فروری ۱۹۴۸ء کو افواج پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اب آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی عدل اور مساوات انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔(تصور پاکستان)

پاکستان کے بارے علامہ اقبال کے افکار: قائد اعظم کی طرح علامہ محمد اقبال کے ذہن میں پاکستان کا جو نقشہ تھا اس میں اسلام کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ

۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو الٰہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''برصغیر ہندوستان میں بھانت بھانت کے لوگ اور مختلف مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں چنانچہ مسلمان اپنے لیے مسلم انڈیا کے قیام کے مطالبے میں پورے پورے حق بجانب ہیں۔ (Speeches and Statements Of Iqbal Page 12)

۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے قائدِ اعظم کو تفصیلی خط لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ ''ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے قانون اور اسلامی شریعت میں اس مسئلے کا حل خود موجود ہے مگر شریعت کے نفاذ اور ترقی کے لیے ہندوستان میں ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے قیام کی ضرورت ہے۔ (letters of Iqbal to Jinnah)

قراردادِ مقاصد: پاکستان بن جانے کے بعد دستور سازی اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی جسے ''قرارد داد مقاصد'' کہا جاتا ہے۔ اسے پاکستان کے دستور میں بنیادی حیثیت ہے۔

قرادادِ مقاصد کا متن: بسم اللہ الرحمن الرحیم چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے، اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

لٰہذا جمہور پاکستان کی نمایندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے، کہ آزاد اور خود مختار مملکت پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رو سے مملکت تمام حقوق واختیاراتِ حکمرانی، عوام کے منتخب کردہ

نمایندوں کے ذریعے استعمال کرے۔

جس میں اصول جمہوریت و حریت، مساوات و رواداری اور سماجی عدل کو، جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے، کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنّتِ رسول میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔

جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے، کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں، اور ان پر عمل کر سکیں، اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رُو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آیندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاق بنائیں، جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

جس کی رُو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں قانون و اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات، حیثیت و مواقع، قانون کی نظر میں برابری، سماجی، اقتصادی اور سیاسی عدل، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط [میل جول اور باہمی تعلق] کی آزادی شامل ہو۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

جس کی رو سے عدلیہ کی آزادی مکمل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رو سے وِفاق کے علاقوں کی حفاظت، اس کی آزادی اور اس کے

جملہ حقوق کا جن میں اس کے بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے۔

تاکہ اہلِ پاکستان فلاح اور خوش حالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں، اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں کماحقہ اضافہ کر سکیں۔

قرار دار مقاصد کے ضمن میں: اس قرارداد مقاصد کے ضمن میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ

ہمارے ملک پاکستان کے دستور کی بنیاد ''قرارداد مقاصد'' پر ہے جس میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کر کے قرآن و سنت کی حدود میں رہتے ہوئے عوام کے منتخب نمائندوں کو یہ منصب سونپا گیا ہے کہ وہ ملک کا نظام اسی کے مطابق چلائیں، اس لیے عوامی نمائندوں کو ہر سطح پر اس دستور کی پاسداری کرنا ضروری ہے تاکہ پاکستان کے حصول و قیام کے مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔

دستور میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اس آزاد اسلامی ریاست) پاکستان (کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔

اس میں اٹل حقیقت کے طور پر یہ بات بھی موجود ہے کہ یہاں قرآن و سنت کے منافی قوانین نافذ نہیں کیے جا سکتے بلکہ تمام قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کا عہد بھی اس میں کیا گیا ہے۔

مروجہ قوانین کی اسلامی حیثیت کے تعین کے لیے وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل یہ دو دستوری ادارے اپنا اپنا کام کر رہے ہیں، مذکورہ اداروں کی حیثیت کو بے حیثیت کرنے والے افراد اور ان کی سوچ کی ہر پلیٹ فارم پر حوصلہ

شکنی کی جائے تاکہ عوام میں قرارداد مقاصد کی اہمیت برقرار رہے۔

قرار داد مقاصد کے مطابق ملکی فیصلے کرنے سے پاکستان کا آئینی تشخص بین الاقوامی دنیا میں مثالی اور قابل تقلید بن جائے گا۔

اس قرارداد میں اہلیان وطن کے عوامی ،سماجی ، سیاسی ،معاشرتی اور مذہبی مسائل کے حل کی صلاحیت موجود ہے، لہذااس کے حقیقی تقاضوں پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لیے سنجیدہ اقدامات کی ضرورت ہے۔

تاریخ قیام پاکستان:تاریخ میں تحریک آزادی پاکستان کا عرصہ مسلمانان برصغیر پر کڑی آزمائش کے طور پر گزرا، اہل حق علماء کی شبانہ روز محنتوں میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوا، قوم میں شعور آزادی اور جذبہ قربانی پیدا کرنے کے لیے قائداعظم کے دست بازو بن کر علمائے دیوبند نے مخلصانہ، مدبرانہ اور قائدانہ کردار ادا کیا،اس کا نتیجہ ۲۷ویں رمضان بروز جمعۃالمبارک ۱۴اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا،تاریخ کا یہ باب بہت اندوہناک بھی ہے اور طویل بھی۔

چنانچہ منشی عبدالرحمان اس حقیقت کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں کہ

جب ۲۷رمضان المبارک یعنی ۱۴اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعۃالمبارک جشن پاکستان منایا جانے لگا تو ملک کی سب سے بڑی مقتدر ہستی یعنی قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان نے علماء ربانی کی تاریخی خدمات کے اعتراف کے طور پر پاکستان کے پرچم کشائی کا اعزاز علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو بخشا، کراچی میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے تلاوت قرآن مجید اور مختصر تقریر کے بعد اپنے متبرک ہاتھوں سے آزاد پاکستان کا پرچم آزاد فضا میں لہرا کر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کو اسلامی ممالک کی برادری میں شامل کرنے کی رسم کا

افتتاح کیا۔ پاکستانی فوجوں نے پرچم پاکستان کو پہلی سلامی دی اور سب نے مل کر یہ ترانہ گایا: ''اونچا رہے نشاں ہمارا''

اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اسلامی سلطنت کے قیام کی جو آواز سب سے پہلے جون ۱۹۲۸ء میں دربار اشرفیہ سے بلند ہوئی تھی اس کے خدام نے اگست ۱۹۴۷ء میں اس کی رسم افتتاح ادا کی۔(تعمیر پاکستان، منشی عبدالرحمان ص ۱۳۶)

حصول وطن کے مقاصد کو سنجیدگی سے دیکھا جائے اور بانیان پاکستان کے افکار کو اگر قریب سے دیکھا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ سب مل کر ایک آزاد، خود مختار اسلامی، نظریاتی، فلاحی اور مثالی ریاست کے خواہاں تھے۔ جس کے لیے ان سب نے مل کر عزم و ہمت اور کامیابی کی ایسی لازوال داستان رقم کی کہ تاقیامت پاکستان میں پیدا ہونے والا ہر فرد ان کا احسان مند، مشکور و ممنون رہے گا۔

اضافہ از مدیر اعلیٰ آب حیات: پاکستان ہمارے اکابرین کی کاوشوں اور محنتوں سے معرض وجود میں آگیا ہے، ہمیں اس کی قدر کرنا چاہیے مگر حقیقت یہ ہے کہ جن مقاصد کے حصول کے لیے یہ مملکت خداداد قائم ہوئی تھی ان مقاصد سے ابھی یہ کوسوں دور ہے، پاکستان بننے کے بعد ملک ان ہاتھوں میں چلا گیا جن کو دین کی سمجھ بوجھ نہیں تھی، جن کو سمجھ بوجھ تھی انہیں ملک کی مشینری چلانے سے عمداً دور رکھا گیا، انہیں مختلف حیلوں اور بہانوں بلکہ گہری سازشوں کے تحت ایوانہائے اقتدار سے دور رکھا گیا جہاں ملک میں قوانین معرض وجود میں آتے اور عملی شکل اختیار کرتے ہیں، جن لوگوں نے پاکستان کے قیام کی جدوجہد کی ان کے پیروکاروں کو صرف تسبیح خوانی اور وعظ و نصیحت کی حد تک قابل ستائش گردانا گیا اور عملی سیاست میں ان کی عملداری کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا، جس سے ملک اس ڈگر پر نہیں چل سکا۔

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان رجسٹرڈ
حکیم الامت لائبریری
بیاد حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کو اللہ جل جلالہ نے 1800 سے زائد کتب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔
الحمد للہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو جمع کرنے کے عزم کے ساتھ ہم نے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور بہت سی کتب جمع کرنے میں ہم کامیاب ہو گئے جبکہ باقی کتب کی تلاش جاری ہے۔
حکیم الامت لائبریری میں کتب کی تقسیم اس طرح ہے
براہ راست جن کتابوں کو حضرت ؒ نے خود تحریر فرمایا ★ جن کتابوں پر حضرت ؒ نے نظر ثانی فرمائی۔
وہ کتب جو مختلف موضوعات پر مختلف حضرات نے حضرت تھانوی ؒ کی کتابوں سے عرق ریزی کر کے مرتب کی فرمائیں۔
کسی ایک موضوع میں حضرت تھانوی ؒ اور دیگر حضرات کے کام کو الگ سے یک جا کر کے شائع کر دیا گیا۔
وہ مضامین رسائل و کتب جو حضرت تھانوی ؒ پر مختلف حضرات نے تحریر فرمائیں۔
حضرت تھانوی ؒ کی وہ کتب جن کا دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے
مواعظ اشرفیہ بلا عنوانات ★ مواعظ اشرفیہ مع عنوانات ★ مواعظ اشرفیہ تسہیل شدہ
مواعظ اشرفیہ تلخیص شدہ ★ ملفوظات اشرفیہ ★ ملفوظات اشرفیہ تخریج احادیث کے ساتھ
ملفوظات اشرفیہ مع عنوانات ★ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پسند فرمودہ کتب
مضامین حکیم الامت (منتخب شدہ) ★ جن کتب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کام بھی شامل کر دیا گیا ہے
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قدیم شائع شدہ کتب ★ فتاویٰ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ
مرکز مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان رجسٹرڈ لاہور
جامعہ صیانۃ العلوم گلشن اشرف اسلام نگر سندر ملتان روڈ لاہور 0300-8439617
مکتب صیانۃ المسلمین لاہور
جامع مسجد امت محمدیہ نزد بحریہ ٹاؤن نہر روڈ اسلام نگر لاہور 0321-4050123

نقشبندیہ
رُوحانی علاج گاہ
مرض روحانی ہو یا جسمانی
جادو ہو یا جنات
نظر بد کے اثرات ہوں یا بندش
کینسر ہو یا شوگر
علاج
قرآنی آیات
اور مسنون دعاؤں سے کیا جاتا ہے
آپ کے معالج ڈاکٹر ہوں یا عاملین حضرات ہر جگہ اپنا قیمتی وقت
اور پیسہ ضائع نہ کریں بلکہ مخلص اور تجربہ کار معالج سے رجوع
کریں، ہمارے ہاں مرض کی تشخیص فون کال پر بھی کی جاتی ہے
اور اپنی بیماری کی تشخیص ہمارے ہاں سے فری میں کروائیں۔
معالج
ابو حافظ محمد عاصم عثمانی نقشبندی
03064287164.03465323364

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اصلاحِ خلق کی توفیق خالص اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا۔اردو کے مشہور شاعر جناب جگر مرادآبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوبؒ نے حضرت تھانویؒ سے ذکر کیا کہ: ''جگر مرادآبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا،اس لیے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں؟

حضرتؒ نے خواجہ صاحبؒ سے پوچھا: پھر آپ نے کیا جواب دیا؟خواجہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ میں نے کہہ دیا''ہاں! یہ تو صحیح ہے،ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟

حضرتؒ نے فرمایا: ''واہ خواجہ صاحب! ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں، مگر معلوم ہوا کہ ہمارا خیال غلط تھا''۔خواجہ صاحبؒ کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ ''آپ کہہ دیتے کہ جس حال میں ہو اسی میں چلے جاؤ، ممکن ہے کہ یہ ملاقات ہی اس بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے۔

چنانچہ خواجہ صاحبؒ یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہو گئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنا دیا، انہوں نے حضرت کے یہ کلمات سن کر زار زار رونا شروع کر دیا اور بالآخر یہ عہد کر لیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہو گئی، اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں بقدرِ ضرورت پینے کی تو شریعت بھی اجازت دے گی لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انہوں نے اس اُمّ الخبائث کو ہاتھ نہ لگایا، اللہ تعالیٰ اہل عزم و ہمت کی مدد فرماتے ہیں، اس وقت بھی حق تعالیٰ کی مدد سے چند روز ہی میں شفاءِ کامل حاصل ہوئی، اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت نے ان کا بڑا اکرام فرمایا۔

غالباً شملہ کے کسی کالج میں حضرت تھانویؒ کا بیان ہوا، وہاں آپ نے فرمایا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو جو شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ صرف نصابِ تعلیم ہی کا قصور نہیں بلکہ اس کا بڑا سبب وہ لادینی ماحول ہے جس میں ہماری نئی نسل پلتی اور ڈھلتی ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ بزرگ علماء و صلحاء کی مجلسیں بحمد اللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ قائم ہیں، کچھ دن اس ماحول میں رہنے کی عادت ڈالیں۔

غالباً اسی مجلس میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی پڑھنے والوں سے نفرت ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ''ہرگز نہیں، ان لوگوں سے کوئی نفرت نہیں، البتہ ان کے بعض اعمال وافعال سے نفرت ہے جو شریعت کے خلاف ہیں'' یہ صاحب بولے ''وہ اعمال وافعال کیا ہیں''؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ''مختلف لوگوں کے مختلف اعمال ہیں، سب یکساں نہیں''۔ یہ صاحب بھی خوب آزاد آدمی تھے، کہنے لگے کہ ''مثلاً مجھ میں کیا ہیں''؟ آج کے عام وضع طلباء کی طرح ان کی بھی ڈاڑھی صاف تھی، حضرتؒ نے فرمایا: ''بعض چیزیں تو ظاہر ہیں، مگر مجمع میں

اس کااظہار کرنے سے حیامانع ہے اور آپ کے باقی حالات و معاملات مجھے معلوم نہیں جس پر کوئی رائے ظاہر کر سکوں''۔

یہ جلسہ ختم ہوا، حضرتؒ تھانہ بھون واپس آگئے پھر اتفاقاً کالج کی تعطیل ہوئی تو ایک طالب علم کا خط آیا، خط میں لکھا تھا کہ ہماری اس وقت تعطیل ہے، میں آپ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق کچھ دن آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں مگر میری ظاہری صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں اور اعمال و افعال میں بھی بہت گڑبڑ ہے، ان حالات میں حاضری کی اجازت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں، حضرت نے تحریر فرمایا ''جس حالت میں ہیں، چلے آئیں، کوئی فکر نہ کریں''۔ یہ صاحب آگئے اور عرض کیا کہ مجھے بہت سے شبہات و اشکالات ہیں، ان کو حل کرنا چاہتا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا کہ مناسب ہے مگر اس کی صورت یہ کرنی ہوگی کہ آپ کے جتنے شبہات ہیں ان سب کو لکھ لیں اور آپ مجلس میں بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں، کوئی سوال نہ کریں۔ جب آپ کی مدتِ قیام کے تین دن رہ جائیں اس وقت یاد دلائیں تو میں آپ کو سوالات کا مستقل وقت دوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ جو سوالات آپ لکھ کر رکھیں گے، اس عرصہ میں کسی سوال کا جواب سمجھ میں آجائے تو اس کو کاٹ دیں۔

ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور جب رخصت سے تین روز پہلے حضرتؒ نے سوالات کا وقت دیا تو انھوں نے بتلایا کہ میرے سوالات کی بہت طویل فہرست تھی مگر دورانِ قیام اکثر سوالات کے جواب خود سمجھ میں آگئے، ان کو کاٹتا رہا، اب صرف چند سوال باقی ہیں چنانچہ یہ سوالات انھوں نے پیش کیے اور حضرتؒ سے ان کے جوابات پاکر ہمیشہ کے لیے مطمئن ہو گئے۔

مخالفین سے سلوک: اکابر دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے بھی بداخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے نہ ان کی تردید میں دلآزار

اسلوب کو پسند کرتے تھے اور نہ طعن آمیز القاب سے یاد کرنا پسند کرتے تھے بلکہ جہاں تک ہو سکتا بداخلاقی کا جواب خوش خلقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی وخیر خواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خادمِ خاص حضرت امیر شاہ خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا رحمۃاللہ علیہ خورجہ تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا (چونکہ وہ مخالف مسلک کے تھے اس لیے) میری زبان سے (طنز کے طور پر) بجائے فضل رسول کے فصل رسول نکل گیا۔ مولاناؒ نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ ''لوگ ان کو کیا کہتے ہیں''؟ میں نے کہا ''فضل رسول'' آپ نے فرمایا ''تم فصل رسول کیوں کہتے ہو''؟ حضرت تھانویؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ حضرات تھے جو لَا تَلمِزُوا اَنفُسَکُم وَلَا تَنَابَزُوا بالاَلقَاب کے پورے عامل تھے حتیٰ کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی۔''

بریلی کے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سبّ وشتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے، ان فرشتہ خصلت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن حضرت گنگوہیؒ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے، ایک روز اپنے شاگردِ رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ سے فرمایا کہ اُن کی تصنیفیں ہمیں سنادو، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے عرض کیا کہ ''حضرت! ان میں تو گالیاں ہیں۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:

''اجی دُور کی گالیوں کا کیا ہے؟ پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں، تم سناؤ، آخر اس کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔

اللہ اکبر! یہ ہے حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی،اُن کی دُشنام طرازیوں سے قطع نظر،اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کر لیا جائے۔

مولانا محمود صاحب رام پوریؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے میں حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آ گیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا، اس کو ایک چارپائی دے دی گئی،جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولاناؒ زنانہ میں تشریف لائے، میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں میں نے دیکھا مولاناؒ اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے شروع کیے، وہ خرّاٹے لے کر خوب سوتا رہا، مولانا محمود صاحب کہتے ہیں کہ میں اُٹھا اور عرض کیا کہ حضرت! آپ تکلیف نہ کریں، میں دباؤں گا مولاناؒ نے فرمایا کہ تم جا کر سوؤ، یہ میرا مہمان ہے، میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا، مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولاناؒ اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔

مولانا احمد حسن صاحب پنجابی مدرّس کانپور نے ''ابطالِ امکانِ کذب'' میں ایک مبسوط رسالہ تحریر کر کے شائع کیا جس میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے ہم عقیدہ حضرات کو فرقۂ ضالہ مزداریہ میں (جو معتزلہ میں سے ایک گروہ ہے) داخل کر دیا اور اس پر تقریظ لکھنے والوں نے تو اکابر دین کی نسبت زبان درازی کی انتہا کر دی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کو یہ رسالہ دیکھ کر طیش تو بہت آیا لیکن علم و تقویٰ کا مقام بلند ملاحظہ فرمایئے کہ غیظ و غضب کے جذبات کو پی کر ارشاد فرمایا:

''ان گستاخ لوگوں کو بُرا کہنے سے تو اکابر کا انتقام پورا نہیں لیا جاسکتا، اور ان کے اکابر کی نسبت کچھ کہہ کر اگر دِل ٹھنڈا کیا جائے تو وہ لوگ معذور و بے قصور ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ سے امت کو جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حضرتؒ کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بیشتر ضروریات پر حاوی ہیں اور اصلاح و تربیت کے لیے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں۔

چار باتوں کا جواب: ایک مرتبہ جونپور میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا، وہاں بریلوی حضرات کا خاصا مجمع تھا، آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں چار باتیں کہی گئی تھیں ایک تو یہ کہ تم جُلاہے ہو دوسرے یہ کہ جاہل ہو، تیسرے یہ کہ کافر ہو اور چوتھے یہ کہ سنبھل کر بیان کرنا۔

حضرت تھانویؒ نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ ''یہ جو لکھا ہے کہ تم جلاہے ہو، تو اگر میں جلاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ میں یہاں کوئی رشتے ناتے کرنے تو آیا نہیں، احکامِ الٰہی سنانے کے لیے حاضر ہوا ہوں، سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرمادیا، سب قومیں اللہ تعالیٰ ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال و اخلاق اچھے ہوں۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔

رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کی تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں، ان سے تحقیق کر لیجئے، معلوم ہو جائے گا کہ میں جُلاہا ہوں یا کس قوم کا؟ اور اگر مجھ پر اطمینان ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں

جُلاہا نہیں ہوں، رہا جاہل ہونا، اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کر دیتا ہوں، اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو اُس پر عمل نہ کرے اور کافر ہونے کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل و قال کی حاجت نہیں، میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں

اَشھدُ أَن لّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَأَشھدُ أَنَّ مُحَمَّدً رَّسُولُ اللّٰہِ

اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا بھی تو لیجیے اب نہیں رہا، آخر میں سنبھل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے، جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں، اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا، رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے، قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں بیان کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا ہو، لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کے ذکر کی ضرورت ہی پیش آ جاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رُکتا بھی نہیں، اس لیے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے، سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیا جائے، اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلافِ طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھے روک دے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کر دوں گا اور بیٹھ جاؤں گا، بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنہوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے انہیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں، ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔

یہ سن کر ایک معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں

بہت اثر تھا، کڑک کر بولے: ''یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے، آپ وعظ کہیے آپ کیسے فاروقی ہیں''؟ حضرتؒ نے فرمایا: ''میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ جُلاہے سمجھتے ہیں۔''

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا، خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والاؒ نے روکا کہ ''گالیاں نہ دیجیے، مسجد کا تو احترام کیجیے'' ۔ پھر حضرت والاؒ کا وعظ ہوا اور بڑے زور شور کا وعظ ہوا، اتفاق سے دورانِ وعظ میں بلا قصد کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم وبدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والاؒ نے بلاخوفِ لومۃ لائم خوب ہی ردّ کیا، لوگوں کو یہ اختیار دے چکے تھے کہ وہ چاہیں تو وعظ کو روک دیں، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے، کیونکہ اس وقت تصوّف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا لیکن جب ردّ بدعات ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے مگر بیٹھے سنتے رہے، یہ بھی خدا کا بڑا فضل تھا کیونکہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلافِ طبع کہی، انہوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر سے اتار دیا، لیکن اس وقت انہوں نے دم نہیں مارا، چپکے بیٹھے سنتے رہے، لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لیے کھڑا ہو گیا تو اُس وقت اُن مولوی صاحب نے حضرت والاؒ سے کہا کہ ''ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی''؟ اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال کے تھے) بڑھے اور جواب دینا چاہا لیکن حضرت والاؒ نے انہیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے، آپ جواب نہ دیں، مجھے عرض کرنے دیں پھر حضرت والاؒ نے اُن معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ ''آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی، ورنہ میں احتیاط کرتا، میں نے تو جو کچھ بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا، مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ اب تو بیان ہو چکا۔

ادارہ کریمین (رجسٹرڈ) لمیٹڈ
حج و عمرہ
شاہد منظور چیف ایگزیکٹو
حج و عمرہ کا با اعتماد ادارہ
1429/A طفیل روڈ نزد گول چکر صدر کینٹ
Cell:0321-84533313,Ph:36624277-8